ہفت روزہ
خدام الدین لاہور
بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ
۱۵ جنوری ۱۹۶۵ء
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ۔ لاہور
ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

...عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ
...لَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
...ذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ اَبْوَابُ
... وَ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ
...نُ - متفق علیہ

...ضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
...ہے - وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
... اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،
...رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت
...ازے کھول دیئے جاتے ہیں،
...خ کے دروازے بند کر دیئے جاتے
...شیاطین کو بند کر دیا جاتا ہے۔

...عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ
...سَلَّمَ قَالَ: صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِهٖ
...لِرُؤْیَتِهٖ، فَاِنْ غُبِّیَ عَلَیْکُمْ
...عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِیْنَ - مُتَّفَقٌ
...هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ - وَفِیْ رِوَایَةٍ
...: فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَصُوْمُوْا
...نَ یَوْمًا۔

...ضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
...ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول
... اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
... کر روزہ رکھو اور چاند ہی دیکھ
...(روزوں کا) افطار (اختتام) کرو، اور
... چاند دیکھنے میں بادل مانع ہو، تو
...کے پورے تیس روز (شمار) کر لو۔
...مسلم) اور یہ الفاظ حدیث بخاری کے
... مسلم کی ایک روایت میں ہے
...بر (بادل) ہو جائے تو تیس دن
...روزے رکھو۔

...نِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا
...کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ
... اَجْوَدَ النَّاسِ، وَکَانَ اَجْوَدُ مَا
...فِیْ رَمَضَانَ حِیْنَ یَلْقَاهُ جِبْرِیْلُ،
...یَلْقَاهُ جِبْرِیْلُ فِیْ کُلِّ لَیْلَةٍ مِّنْ
... فَیُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ، فَلَرَسُوْلُ
...لَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ یَلْقَاهُ
... اَجْوَدُ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَةِ۔
...علیہ۔

...ضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ اور خصوصاً ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت اور بڑھ جاتی ہے۔ جب حضرت جبریل آپ سے ملاقات کرتے تھے۔ اور جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر شب میں آپ سے ملاقات کرتے تھے۔ اور آپ ان سے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ اور البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے تو آپ کی سخاوت بارش لانے والی ہو سے بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اَحْیَا اللَّیْلَ، وَاَیْقَظَ اَهْلَهٗ، وَشَدَّ الْمِئْزَرَ۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان کا آخری عشرہ آتا (تمام) رات بیدار رہتے، اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ اور عبادت الٰہی میں خوب کوشش فرماتے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمَهٗ فَلْیَصُمْ ذٰلِکَ الْیَوْمَ۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص بھی رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔ مگر یہ کہ کسی شخص کو ان ایام میں روزہ رکھنے کی عادت ہو تو اس کو اس دن کا روزہ رکھ لینا چاہیے۔ (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَصُوْمُوْا قَبْلَ رَمَضَانَ، صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِهٖ، فَاِنْ حَالَتْ دُوْنَهٗ غَیَایَةٌ فَاَکْمِلُوْا ثَلَاثِیْنَ یَوْمًا، رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اَلْغَیَایَةُ" بِالْغَیْنِ الْمُعْجَمَةِ وَبِالْیَاءِ الْمُثَنَّاةِ مِنْ تَحْتُ الْمُکَرَّرَةِ وَهِیَ السَّحَابَةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان شریف سے پہلے روزہ نہ رکھو۔ بلکہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند ہی دیکھ کر افطار کرو۔ اور اگر تمہارے اور چاند کے درمیان ابر حائل ہو جائے تو (شعبان یا رمضان کے) تیس پورے کر لو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

"الغیایۃ" غین معجمہ اور تکرار یاء مثناۃ تحتانیہ کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی بادل کے ہیں۔

وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَابًا یُقَالُ لَهُ الرَّیَّانُ یَدْخُلُ مِنْهُ الصَّآئِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَا یَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَیْرُهُمْ یُقَالُ: اَیْنَ الصَّآئِمُوْنَ فَیَقُوْمُوْنَ لَا یَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَیْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ۔ متفق علیہ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے۔ اس دروازہ سے قیامت کے دن روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ ان کے سوا اس دروازے سے کوئی داخل نہ ہو گا۔ جب روزہ دار داخل ہو جائیں گے تو اس کو بند کر دیا جائے گا۔ اور پھر اس دروازہ سے کوئی داخل نہ ہو گا۔ (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)۔

ایڈیٹر
ا
مناظر حسین نظر

خدام الدین

سالانہ
گیارہ روپے
ششماہی
چھ روپے

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۴۵

جلد ۱۰ | ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۶۵ء | شمارہ ۳۵

اپنے اعمال کا محاسبہ کیجئے

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ عذاب الٰہی سے بچنے کیلئے مضبوط ڈھال ہے ۔ بشرطیکہ اس ڈھال کو غیبت اور دروغ گوئی سے ٹکڑے ٹکڑے نہ کردیا جائے ۔

آئیے ! آج کی صحبت میں جب کہ تمام امّت مسلمہ روزے سے ہے ۔ اور رمضان المبارک کے فیوض و برکات فضائے ارض و سماء پر سایہ فگن ہیں ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں ۔ اور دیکھیں کہ اس فرمانِ نبوی ؐ کی روشنی میں ہم کہاں تک روزہ دار ہیں ۔ آیا ہمارا روزہ صحیح معنوں روزہ بھی ہے یا نہیں ؟ اگر ہم دروغ گوئی اور غیبت کے امراض میں مبتلا ہیں اور اس طرح روزہ کی ڈھال کو پارہ پارہ کر رہے ہیں تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ ہمارا روزہ وہ روزہ ہرگز نہیں جس کا داعیٔ اسلام نے ہمیں حکم کیا تھا اور خدائے اسلام نے جس کے بدلے میں جنت کی ابدی نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے

اسلامی نکتۂ نگاہ سے قطع نظر اگر عام حالات میں بھی دیکھا جائے تو جھوٹ اور غیبت ایسی مذموم عادات ہیں کہ جن کی کوکھ سے لا تعداد معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں ۔ جھوٹ سے معاشرہ میں بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے وعدہ خلافی سے اجتماعی زندگی کا اعتبار اٹھ جاتا ہے ، خیانت اور بددیانتی سے جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں ۔ غرض ایک جھوٹ کی بنیاد پر معاشرے میں بے شمار برائیاں راہ پا جاتی ہیں ۔ اسی طرح غیبت بھی خطرناک اور ہلاکت آفرین بیماری اور بد ترین عادت ہے ۔ اس کے بطن سے بھی بے شمار معاشرتی بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ افراد کے درمیان نفرت اور عداوت کی تخم ریزی ہوتی ہے جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ اپنی صفائی پیش نہیں کر سکتا اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے جس کے نتیجے میں عوام کے دلوں سے خلوص و محبت اور مہر و وفا رخصت ہو جاتے ہیں ۔ اور اس طرح معاشرہ بغض و عناد منافرت ، بدگمانیوں اور قتل و خونریزی کی آماجگاہ بن جاتا ہے ۔ گویا یہ دو برائیاں جو بظاہر بڑی معمولی نظر آتی ہیں ۔ پورے معاشرے کی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں اور ان کے باعث معاشرے پر عدم اعتماد اور ہلاکت و تباہی کی فضاء مسلط ہو جاتی ہے ۔

ظاہر ہے اسلام جو حکمت و دانائی اور خیر و برکت کا سرچشمہ ہے ۔ اور جس کا ہر حکم معاشرتی اصلاح اور انسان کی جسمانی و روحانی فلاح و بہبود کا ضامن ہے ایسی مہلک ترین بیماریوں سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا ۔ چنانچہ اس نے واشگاف الفاظ میں ان برائیوں سے بچنے کی تاکید کی ہے ۔ غیبت کے متعلق اسلام کا فیصلہ ہے کہ یہ قبیح عادت مُردہ بھائی بہنوں کے گوشت کھانے کے برابر ہے ۔ اور داعیٔ اسلام کے الفاظ میں زانی کی توبہ تو قبول ہو جاتی ہے ۔ مگر غیبت کرنے والے کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی ۔ جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی پسِ پشت برائی کی گئی تھی لیکن ہماری شومیٔ قسمت ہے کہ یہ برائیاں معاشرہ کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہیں ۔ اور اچھے اچھے دین دار لوگ ان بیماریوں میں پھنس کر رہ گئے ہیں ہم نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ مزے لے لے کر دوسروں کی غیبت کرتے اور غیبت کی باتیں سنتے ہیں ۔ اور اس طرح وہ روزہ کی ڈھال کو پارہ پارہ کرتے اور گناہ کے مرتکب ہوتے انداز فرمایئے اپنی اس روش کی بنا پر جہاں وہ روزے کے ثواب سے محروم ہو جاتے اور اپنے اعمال ضائع کرتے ہیں ۔ وہیں معاشرے میں برائی کے جراثیم پھیلانے کے بھی موجب بنتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے دنیا نیک اور شریف لوگوں پر تنگ ہو جاتی ہے اگر غور کیا جائے تو ویسے بھی منفی پہلوؤں پر سوچنا اور دوسروں کے عیب تلاش کرتے رہنا ذہنی پستی کی علامت ہے اور تضیعِ اوقات کے علاوہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ پھر روزے کا تو اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان تقویٰ ضبطِ نفس ، تحمل و بردباری اور خلوص و ایثار کا مجسمہ بنے اور ایک ایسا صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آ جائے جو سر تا سر رحمت اور امن و آشتی کا گہوارہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ ہم سبکو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے اور روزے کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرماوے آمین

وما علینا الا البلاغ

گاہے گاہے باز خواں ....

روزہ اور تطہیر نفس

قطب العالم شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ کی ایک تقریر جو آپ نے رمضان المبارک ۷۷ ۱۳ھ اپریل ۱۹۵۸ء میں ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر فرمائی تھی۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ الحمد للہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علی النبی الکریم،

امابعد آج کی صحبت میں مذکورۃ الصدر عنوان پر مسلمانوں کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ عرض یہ ہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے روح اور جسم۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پہلے انسان کا جسم ماں کے پیٹ میں بناتا ہے۔ عورت کے حاملہ ہونے کے وقت سے چار ماہ تک جب انسان کا وجود ماں کے پیٹ میں مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عالم ملکوت (جو روحوں کا مرکز ہے) سے ایک روح کو لاتا ہے اور انسان کے تیار شدہ ڈھانچہ میں ڈال دیتا ہے اس وقت انسان حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔

دونوں کی خواہشات الگ الگ ہیں

یہ یاد رہے کہ انسان کی دونوں اجزاء یعنی جسم اور روح کی خواہشات الگ الگ ہیں جسم چونکہ زمین کی پیداوار سے بنا ہوا ہے۔ اس لئے اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ انسان محنت کر کے خوب کمائے اور مجھے لذیذ سے لذیذ کھانے کھلائے۔ پہلا کھانا ابھی بمشکل ہضم ہوا ہو تو میرے معدہ میں دوسرا کھانا ڈال دے اور عمدہ اور طرح طرح کی لذیذ چیزیں پلائے۔ مثلاً کسی شربت میں روح کیوڑہ ہو۔ تو کسی میں روح گلاب کی آمیزش ہو کھانے پینے کے علاوہ اس کا نفس چاہتا ہے کہ ایک پری جمال۔ آج کل کی اصطلاح میں جو آج کے دور میں ملکہ حسن ہے۔ نفس کی ہوس پوری کرنے کے لئے وہ میرے گھر کی زینت ہو۔ حاصل یہ ہے کہ انسان کے جسم کی یہ تین قسم کی خواہشات ہیں اور

روح کی خواہشات

اس سے بالکل علیحدہ نوعیت کی ہیں وہ چونکہ آسمان سے لائی گئی ہے اور وہاں کے رہنے والوں کی غذا فقط اللہ جل شانہ کا ذکر ہے اس لئے روح چاہتی ہے کہ انسان ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ انسان کو کسی نہ کسی وقت ضروریات جسمانی سے روک کر محض میری غذا جو ذکر الٰہی ہے۔ اس کے لئے بھی کلیتہً فارغ البال کر دیا جائے۔ مثلاً جس طرح عید کے دن حسب توفیق ہر شخص طرح طرح کے کھانے پکاتا ہے اور خوب پیٹ بھر کر کھاتا ہے اسی طرح کبھی روح کو بکثرت غذا پہنچانے کے لئے بھی انسان کو جسم کی ضروریات سے بالکل فارغ کر دیا جائے۔ تاکہ اس عرصہ میں فقط اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فکر میں منہمک رہے اور اس عرصے میں گویا کہ روح طرح طرح کے اذکار الٰہیہ سے اپنی عید منا رہی ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے کہ رمضان مبارک میں جو نفل عبادت کی جائے۔ اس کا ثواب غیر رمضان میں فرض ادا کرنے کے برابر ملتا ہے اور جو فرض عبادت کی جائے اس کا ثواب غیر رمضان میں ستر فرضوں کا ملتا ہے۔ اس لئے رمضان شریف کے دنوں میں انسان سے روزہ رکھوایا جاتا ہے تاکہ جسم کی خواہشات پوری کرنے کا خیال بھی نہ آئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنا روحانی تعلق بیش از بیش بڑھانے کے لئے کوئی مسلمان رمضان شریف میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے اور کوئی بکثرت استغفار پڑھ رہا ہے تاکہ رمضان شریف کی برکت سے گناہ معاف ہو جائیں اور کوئی درود شریف بکثرت پڑھ رہا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے سے چالیس فائدے انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ دس نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ دس گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دس مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور دس درجے انسان کے اللہ کے قرب میں بلند ہو جاتے ہیں۔ مذکورۃ الصدر اذکار الٰہیہ میں مصروف ہونے کے علاوہ ہر ایک سچا اور کھرا مسلمان رات کو دوسرے گیارہ مہینوں کی نماز عشاء کے علاوہ تراویح کی نماز با جماعت ادا کرتا ہے۔ جس میں عموماً حافظ قرآن، قرآن مجید سناتا ہے۔ اور اس کے پیچھے مسلمان تین چیزوں کو بند کر کے محو حیرت ہو کر ایک تصویر بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ ان تین چیزوں کا ذکر اس شعر میں ہے ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

علاوہ اس کے

مسلمان تراویح کی نماز سے فارغ ہو کر جلدی جا کر سو جائے گا۔ تاکہ سحر کے وقت جاگ آجائے اور سنت کے مطابق روزہ رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے۔ سحر کو کھایا کرو کیونکہ سحر کے کھانا کھانے سے برکت ہوتی ہے مسلمان سحر کے وقت اٹھتا ہے۔ کھانا کھا کر روزہ رکھتا ہے۔ تقریباً اس کے بعد بہت جلدی نماز صبح کی اذان ہو جاتی ہے اور نماز با جماعت پڑھنے کے لئے چلا جاتا ہے۔

اور سنیئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ (رواہ البخاری) (ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے جھوٹی باتیں نہ چھوڑیں اور جھوٹے کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ اس نے کھانا اور پینا چھوڑا۔ بعض احادیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرؤ صائم (متفق علیہ) جب تم میں سے کسی ایک کے روزے کا دن ہو تو نہ بری باتیں منہ سے نکالے اور نہ شور مچائے پس اس کو اگر کوئی گالی بھی دے یا اس سے لڑنا چاہے تو یہ کہہ دے بیشک میں تو روزہ دار ہوں۔

اس صورت سے تطہیر نفس تو خود بخود ہو جائیگی

رمضان مبارک کے دن اور رات کے اوقات میں سچے کھرے اور اصلی مسلمان کے مشاغل کا جو نقشہ پیش کر چکا ہوں اس سے تطہیر نفس تو خود بخود ہو جائے گی۔

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

خطبہ جمعہ ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۶۵ء

روزہ کی غرض و غایت

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گیے ہیں۔ جس طرح اُن لوگوں پر فرض کیے گیے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

بزرگان محترم!

یہ قاعدہ کلّیہ ہے کہ ہر انسان جب کوئی کام کرنے لگتا ہے تو پہلے سوچ لیتا ہے کہ اس کے کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا اور میں یہ کام کس مقصد یا غرض کے لیے کر رہا ہوں۔ چنانچہ روزہ دار کو بھی اسی قاعدہ کی بناء پر یہ جان لینا چاہیئے کہ وہ کس مقصد اور فائدے کے پیش نظر روزے رکھ رہا ہے اور اُس کے روزہ رکھنے کی غرض و غایت کیا ہے۔

روزہ کا مقصد

یہاں اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے روزے کی فرضیت کے حکم کے ساتھ صاف اور واشگاف الفاظ میں روزہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے اور وہ مقصد ہے

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ

تاکہ تم پرہیز گار اور تقویٰ شعار ہو جاؤ بالفاظِ دیگر روزہ کی رُوح تقویٰ ہے۔ اور روزے رکھا کر لوگوں کو متقی بنانا مقصود ہے۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟

تقویٰ ــــ احتیاط، نگہداشت اور پرہیز گاری کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تشریح کے مطابق تقویٰ نام ہے اسلام کے دشوار گذار راستوں پر اس احتیاط و اہتمام کے ساتھ گزرنے کا کہ زندگی کا لباس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کانٹوں سے اُلجھنے نہ پائے ــــ چنانچہ اس اعتبار سے، تقویٰ شعار یا متقی وہی شخص ہو گا جو پرہیز گاری کے ساتھ زندگی بسر کرے، ہر کام کو سوچ سمجھ کر احتیاط اور اہتمام سے کرے اور دُنیا کے جنگل میں ہر قسم کے کانٹوں یعنی گناہوں اور معصیتوں سے دامن بچا کر گزرے۔

گویا

تقویٰ ایسا جامع لفظ ہے جو تمام احکامِ شریعت کی بجا آوری اور معاصی سے پرہیز کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے ــــ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج کل اس لفظ کا مفہوم بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے جس کے باعث ہر ایرا غیرا متقی ہونے کا دعویدار ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیے! ایک خاص وضع کی شکل بنا لینے اور چند مخصوص اور ظاہر برائیوں سے رُک جانے کو تقویٰ نہیں کہتے بلکہ شریعت میں یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے بطن میں سمیٹ لیتی ہے ــــ کوئی شخص اُس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی زندگی کے تمام مسائل میں خدا کی طرف رجوع نہ کرے اور ہر کام میں فقط اُسی کی رضامندی کو ملحوظ خاطر نہ رکھے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو اسلام ایک انسان میں جس نوعیّت کا کیریکٹر پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی مکمّل تصویر لفظ تقویٰ میں موجود ہے۔

مختصر

یہ ہے کہ خالق اکبر نے آیت مذکورہ بالا میں صاف تصریح کر دی ہے کہ اے بنی آدم روزہ رکھ کر تقویٰ شعاری اور پرہیز گاری اختیار کر۔

روزہ کی حقیقی غایت یہ ہے کہ انسان اپنے اندر تقویٰ کی رُوح پیدا کرے ــــ اگر کوئی شخص صرف دن بھر کھانے پینے سے رُکا رہے اور اپنے اندر یہ روح پیدا نہ کر سکے یعنی روزے کی حالت میں جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے اور دوسری ان تمام حرکات سے باز نہ رہے جو غیر اسلامی ہیں تو بقول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے حصّہ میں سوائے بھوک پیاس کے کچھ نہ آیا۔

روزہ ڈھال ہے

حدیث شریف میں آیا ہے۔ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ روزہ (عذاب الٰہی اور دوزخ سے بچانے کے لیے) ایک ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو اپنی زبان سے فحش بات نہ نکالے۔ بیہودہ شور و غوغا اور ہنگامہ نہ کرے۔ اگر کوئی اُسے بُرا کہے، گالم گلوچ کرے یا اُس سے لڑائی پر آمادہ ہو تو روزہ دار یہ کہہ کر خاموش ہو جائے کہ میں روزہ سے ہوں۔

تہذیبِ اخلاق

اندازہ فرمایئے کہ روزہ کس طرح انسان کے نفس کی گوشمالی و سرکوبی کرتا ہے ایک شخص [illegible] دار کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے، اُس سے [illegible] پر آمادہ اور شور و ہنگامہ برپا کرنے پر تُلا ہوا ہے لیکن روزہ دار کے اخلاق کی وسعت کا یہ حال ہے کہ وہ صرف یہی کہنے پر اکتفا کرتا ہے کہ بھائی میں روزہ سے ہوں۔

تہذیبِ اخلاق کا یہ کس قدر عمدہ سبق ہے کہ ایک طرف اس شائستہ و سنجیدہ جواب سے فتنے کا دروازہ بند ہو گیا اور دوسری طرف روزہ دار کی زبان بد گوئی و فحش کلامی سے بھی ملوّث نہ ہونے پائی اور اس طرح ضبط نفس کی تربیّت بھی ہو گئی۔

کیا کوئی نظام یا پروگرام ایسا ہے جو فطرت میں اس قدر عظیم الشّان انقلاب پیدا کر دے اور اخلاق کو اس حد تک مہذب بنا دے کہ فحش کلامی اور دنگا فساد کا جواب بھی شیریں کلامی سے دیا جائے ــــ دیکھا جائے تو روزہ دار کی دُنیا ہی نرالی ہے نہ تو دُنیا کی پُرفتن فضائیں اور سحر کاریاں ہی روزہ دار کے دل کو لُبھا سکتی ہیں، نہ نفس کے مرغوبات اُس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، اور نہ ہی وساوسِ شیطانی اُس کے قلب و دماغ میں راہ پا سکتے ہیں ــــ علاوہ ازیں روزہ دار کا ایمان اس قدر پختہ اور یقین

اس درجہ کامل ہوتا ہے کہ اُس کی نظر ہر وقت صنعت کی بجائے صانع حقیقی پر رہتی ہے جو مقصود بالذّات اور جانِ حیات و کائنات ہے۔

گویا روزہ دار ایک ساکت و صامت مجسمہ ہے جس کے اعضا و جوارح صرف منشاء ایزدی اور مرضیِ مولا کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔

یہی مفہوم

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیث کا ہے کہ روزہ دار کے تمام اعضاء بھی روزہ رکھتے ہیں۔ زبان کذب و افتراء سے، کان خلاف حق بات سُننے سے، آنکھ غیر کی چیز پر حریصانہ اٹھنے سے، ہاتھ غیر کی چیز پر ناجائز قبضہ کرنے سے اور پاؤں بُری راہ چلنے سے — مطلب واضح ہے کہ روزہ دار کے تمام اعضا و جوارح صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام کریں اور اُسی کے احکام کی تکمیل میں لگے رہیں۔

اصلاحِ معاشرہ

غور فرمایئے کہ اگر داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس تعلیم کے مطابق معاشرے کے تمام افراد ایک ماہ کا روزہ رکھ لیں تو اِس معاشرے میں کوئی خرابی باقی رہ سکے گی؟ کیا وہ معاشرہ پاکیزہ، بے عیب اور اصلاح یافتہ معاشرہ نہ ہو گا۔ اور ایسے معاشرے میں کوئی شخص دُکھی، مظلوم یا ستم رسیدہ نظر آسکے گا؟ جواب صاف ظاہر ہے کہ اس تعلیم کے نتیجے میں جو معاشرہ برپا ہو گا وہ امن و راحت، عدل و انصاف اور انسانیت و اخلاق کا گہوارہ ہو گا اور اُس میں ظلم و زیادتی، ناانصافی اور قتل و غارتگری کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی۔

القصّہ

روزہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ انفرادی طور پر بندگانِ خدا میں تقویٰ کی رُوح پیدا کی جائے اور اجتماعی شکل میں ایک صالح اور پاکیزہ نظامِ زندگی کو بروئے کار لایا جائے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزہ کا صحیح مفہوم سمجھنے، روزے کی غرض و غایت دل و دماغ میں بٹھانے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا الٰہ العالمین!

بقیہ :- روزہ اور تطہیر نفس

ظاہر ہے کہ

کہ جب روزہ رکھنے والا آدمی صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے نہ کھائے نہ پیئے نہ بیوی سے اختلاط کرے۔ نہ اونچی آواز سے شور مچائے نہ کوئی بُری بات منہ سے نکالے نہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کرے نہ کسی کو گالی دے بلکہ اتنا شریف ہو جائے کہ اگر کوئی گالی بھی دے تو بھی جواب نہ دے اور اگر کوئی لڑنے کے لئے آمادہ ہو تو یہ اس کے مقابلہ میں ہاتھ نہ اٹھائے اور یہ سب محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرے۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا درجہ تطہیر اور پاکیزگی کا ہو گا۔ حاصل یہ نکلا کہ اسلامی روزہ انسان کو پاکیزہ اور شریف بنا دیتا ہے۔ جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جا سکتی اور انسان صحیح معنی میں انسان، پاکیزگی اور شرافت ہی کے لحاظ سے بنتا ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان دوسرے حیوانوں سے بدترین حیوان ہو گا۔

وما علینا الا البلاغ

بقیہ : مکافات عمل

ڈھیل دیتا ہے۔ پس جب اُن کا وقت مقرر آجائے گا۔ تو بے شک اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے

اگر اللہ تعالےٰ بندوں کے گناہوں اور ان کی شامت اعمال پر فوری گرفت کرے تو کوئی بھی جاندار زمین پر زندہ نہ رہنے پائے اللہ تعالےٰ زبردست ہے حکمت والا ہے اگر چاہے تو تمہاری گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتا ہے۔ لیکن فوراً سزا دینا اس کی حکمت کے مناسب نہیں اس لئے ڈھیل دیجاتی ہے کہ شائد باز آجائیں۔ اور اپنا رویہ درست کرلیں۔ اگر اللہ تعالےٰ لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کردے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ دنیا میں اکثریت ظالموں اور بدکاروں کی ہے۔ اور چھوٹی موٹی خطا و قصور سے تو کوئی خالی ہوگا جب خاطی و بدکار فوراً ہلاک کردئے گئے۔ تو پھر صرف معصوم انبیاء کے زمین پر بھیجنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی بلکہ ان کا ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا زیادہ موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں ہی زمین پر نہ رہے۔ تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بھی بے فائدہ ہوگا۔ کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں بہر حال اگر خدا بات بات پر دنیا میں گرفت کرے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنی حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ اور اصلاح کا موقعہ دیتا ہے۔ اور وقت موعود تک ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے۔ جب وقت مقرر آپہنچتا ہے۔ تو پھر ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں لگتی۔ یاد رکھو سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں۔ کسی کا ایک ذرہ بھر بھلا یا بُرا عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔ ہر ایک کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے گا۔ اور نہ مطیع کا حق مارا جائے گا۔ ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزاء و سزا دی جائے گی۔ نہ کسی پر ظلم ہو گا۔ نہ کسی کی حق تلفی ہوگی۔

اللہ تعالےٰ رحیم و کریم ہے۔ ہمارے ہر گناہ پر گرفت نہیں کرتا۔ ہمیں اصلاح کے لئے مہلت دیتا ہے۔

مصائب کے دفع کرنے اور درد و غم کی چُبھن کو کم کرنے کا واحد علاج یہی ہے کہ انسان اپنے اعمال کی اصلاح کی جانب توجہ کرے اور اپنے نفس کا تزکیہ کرے جب کبھی بھی کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو انسان اپنی تقدیر کی شکایت میں مصروف ہو جاتا ہے اور اپنی قسمت پر آنسو بہانے شروع کردیتا ہے۔ اور ساری دنیا کو اپنا مخالف سمجھتا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں سوچتا کہ وہ مصیبت آئی کس وجہ سے، ہے اگر اچھی طرح غور و فکر کرے تو ضرور ظاہر ہو جائے گا۔ کہ کس گناہ کی سزا میں وہ مصیبت آئی ہے اگر سوز و الم اور درد و غم کے خوف و ہراس سے بچنا چاہتے ہو اور دنیا میں مسرت سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو دوسروں کو مسرت دو آدمی جو مسرت دوسروں کو دیتا ہے۔ وہ اضافے کے ساتھ اس کے پاس واپس آجاتی ہے۔ گویا مسرت ایک خزانہ ہے۔ کہ اس میں سے جتنا خرچ کیا جائے وہ اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔

حضرت زید ابن حارثہؓ

آپ کی کنیت ابو اسامہ ہے اور ان کی والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ ہے۔ حضور انورؐ کے لشکر نے ان کی والدہ کو ان کی ہمراہی میں جاتے ہوئے قید کر لیا تھا اور حکیم ابن حزام بن خویلد نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے واسطے خرید کر لیا تھا۔ جب حضرت خدیجہؓ کا آنحضرت کے ساتھ عقد نکاح ہو گیا تو حضرت خدیجہؓ نے ان کو حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ القصہ قرآن مجید میں سوائے حضرت زیدؓ کے اللہ تعالیٰ نے اور کسی صحابی کا نام ذکر نہیں فرمایا ہے۔ آپ سے آپ کے صاحبزادے اسامہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ جنگ موتہ میں آپ شہید کئے گئے۔ ۸ھ میں جمادی الاول کا مہینہ تھا ۵۵ سال کی عمر تھی۔ (مشکوٰۃ اسماء الرجال)

حضرت زینبؓ امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی نبی کریمؐ کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ آنحضرتؐ نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیں۔ یہ زید بلحاظ اصل شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں فروخت کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا۔ جب یہ ہوشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب سے گزرے وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا آخر ان کے والد، چچا اور بھائی آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لے کر اس کو ہمارے حوالے کر دیں۔ فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو خوشی سے لے جاؤ، انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ میں آنحضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپؐ مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کو آزاد کر دیا اور متبنیٰ بنا لیا۔ چنانچہ لوگ اس زمانہ کے رواج کے مطابق زید بن محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے "تاآنکہ آیت ادعوھم لاباھم ھو اقسط عند اللہ الخ پ ۲۱ ع ۱۷

(ترجمہ) لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو کیونکہ اللہ کے نزدیک یہی پورا انصاف ہے پھر اگر ان کے باپ کو نہ جانتے ہو تو دین میں تمہارے بھائی اور رفیق ہیں۔

اس وقت زید بن محمد کی جگہ زید بن حارثہ رہ گئے چونکہ قرآن کے حکم کے موافق ان کے نام سے اس نسبت عظیم کا شرف جدا کر لیا گیا تھا۔ شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں صرف ان کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ ان کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا لکی لایکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا وکان امر اللہ مفعولا ۵ پ ۲۲ ع ۲

(ترجمہ) پھر جب زید اس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا۔ ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی جوروؤں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہ رہے جب وہ ان سے اپنی غرض پوری کر لیں اور اللہ کا حکم بجا لانا ہے۔

بہرحال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید ابن حارثہ بظاہر داغ غلامی اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز ان کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح نہ کرنے کی تھی لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات اور امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں اس لئے آپ نے زینبؓ اور ان کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں۔ اسی وقت یہ آیت اتری اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ اور رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینبؓ کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔ حضرت زینب زید کے نکاح میں آئیں تو مزاج کی موافقت نہ ہوئی جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زیدؓ اگر آنحضرتؐ سے ان کی شکایت کرتے اور کہتے ہیں اسے چھوڑتا ہوں تو آنحضرتؐ منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ و رسول کے حکم سے اس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے اس لئے خدا سے ڈرو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کرو اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتے رہو، جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے کہ آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینبؓ کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک لے پالک کو کسی بات میں بیٹے کا حکم نہیں ہے۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبرؐ کے ذریعہ سے عملی طور پر ہٹا دے "تاکہ مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا عار یا خوف و ڈر باقی نہ رہے۔ اس لئے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ میں زینب کو آپ کے نکاح میں دینے والا ہوں کیوں دینے والا ہوں؟ اس کو خود قرآن کے الفاظ لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِھِمْ صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ یعنی آپ کے نکاح میں دینے کی غرض یہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رکاوٹ اس معاملہ میں آئندہ باقی نہ رہنے پائے اور شاید یہی حکمت ہو گی جو اول زینبؓ کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند بڑی بڑی مصلحتیں تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ آنحضرتؐ خود اپنے ذاتی خیال اور اس آسمانی پیش گوئی کے اظہار سے عوام کے طعن و تشنیع کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے لیکن خدا کی خبر سچی ہوتی تھی اور اس کا حکم تکوینی و تشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخر کار زید نے طلاق دے دی اور عدت گذر جانے پر اللہ نے زینبؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے باندھ دیا۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپؐ دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیش گوئی اور اس کا خیال تھا۔ اسی کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا جیسا کہ لفظ زَوَّجْنٰکَھَا سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا بدگوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا گمراہی میں ترقی نہ کریں چونکہ شریعت کی بڑی بڑی مصلحتوں کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبرؐ کی بلند شان کے مناسب نہ تھی اس لئے بقاعدہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیوں کے برابر ہوتی ہیں) اس کو اس رنگ

بیں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہ السلام کی زلات کے ذکر میں واقع ہوا ہے فتح الباری سورہ احزاب کی تفسیر میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نکاح کی خبر پہلے سے دے دی تھی۔

اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اس کے ہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں جائز ہو گیا۔ انبیاء و رُسل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ چنانچہ آپؐ نے بھی پیغام رسانی میں کسی چیز کی پرواہ نہ کی، نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے کبھی متاثر ہوئے۔ پھر اس نکاح کے معاملہ میں کیوں رکاوٹ ہو۔ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی کثرت ازدواج مشہور ہے۔ جو الزام بیوقوف لوگ آپ کو دے سکتے ہیں۔ انبیائے سابقین کی زندگی میں اس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں لہٰذا اس طرح کی بیوقوفانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہیئے۔

آگے بتلایا ہے کہ زید ابن حارثہ جن کو آپؐ نے متبنیٰ کر لیا تھا آپؐ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ ان کی مطلقہ سے آپؐ نکاح نہ کر سکیں اور ایک زید کیا۔ آپ تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں کیونکہ آپ کی اولاد میں جو لڑکے پیدا ہوئے وہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے اور بعض اس نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ زہراؓ کی وراثت دنیا میں پھیلی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو ہاں اللہ کا رسول ہے۔ اس حساب سے سب آپ کے روحانی بیٹے ہیں۔

جیش اُسامہؓ

زید بن حارثہ کے بیٹے حضرت اُسامہ تھے یہ نوجوان سترہ سال کے تھے۔ جنگ موتہ میں جو ۸ھ میں رومیوں سے ہوئی تھی اور اسی لڑائی میں حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے تھے۔ اس کے انتقام کے لئے آنحضرت نے مرض الموت سے قبل ایک لشکر تیار کیا تھا اور اس کا سردار اسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔ جب یہ لشکر کوچ کرنے لگا تو آنحضرتؐ بیمار ہو گئے اس وجہ سے رک گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے وصال فرمایا۔ اس کے بعد ہی عرب قبائل کے مرتد ہونے کی خبریں آنی شروع ہوئیں۔ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب جبکہ نومسلم قبیلے مرتد ہوتے چلے جاتے ہیں اور مخالفت بڑھ رہی ہے یہ فوج باہر نہ بھیجی جائے بلکہ یہیں رکھی جائے کہ بوقت ضرورت کام دے۔ انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا۔

انصار کی طرف سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آ کر کہا اگر آپ لشکر بھیجتے ہی ہیں تو کسی شریف النسل اور سن رسیدہ شخص کو اس کا امیر مقرر فرمائیے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر غصہ سے بے تاب ہو گئے اور حضرت عمر سے فرمایا جس شخص کو رسول اللہ نے سردار مقرر کیا ہے میں اس کو کیسے برطرف کر دوں؟

اس کے بعد خود اس فوج کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے خلیفہ ان کے ہمرکاب پیدل چلے جاتے تھے اور ان کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمن بن عوف تھامے ہوئے تھے۔ اسامہ نے کہا کہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے اترنے کی اجازت دیں۔ فرمایا کہ نہ میں خود سوار ہوں گا اور نہ تم کو پیادہ ہونے کی اجازت دوں گا۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسامہ کی فوج کو آپ واپس بلا لیں ایسا نہ ہو کہ اطراف مدینہ کی جنگ میں ہم کمزور پڑ جائیں اور مخالف مدینہ پر چڑھائی کر دیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اے عمر! ایام جاہلیت میں تو بڑا دلیر تھا کیا حالت اسلام میں تیرا دل کمزور ہو گیا ہے؟ خدا کی قسم اگر کتے مدینہ کی گلیوں میں شرفاء بیویوں کو بھی گھسیٹ لیں تو بھی اسامہ کی فوج کے اس حکم کو کھولنے نہ دوں گا جس کو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھ سے باندھا ہے بلکہ سب سے پہلے وہ ضرور سرحد شام کی طرف روانہ ہو گی چنانچہ اس فوج کی روانگی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس قبیلہ پر یہ گزرتی تھی تو وہ یہ کہتا تھا کہ اگر یہ لوگ کمزور ہوتے تو اس قدر فوج کو باہر نہ بھیجتے اور بہت سے قبائل صرف اسی بناء پر بغاوت سے رک گئے۔

جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں ایسے ہی ایک شخص کی حقیقتاً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اس سے جدا ہو جاتی گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو سچ مچ سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔

قرآن کریم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم و مفروضات کی بڑی شد و مد سے تردید فرمائی۔ ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے کسی نے پالک بنا لیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکارے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ و التباس واقع نہ ہونے پائے۔

ابتدائے اسلام میں نبی کریمؐ نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے متبنیٰ کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے جب یہ آیت اتری تو سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔

آنحضرتؐ کی ضمانت وکفالت اور بڑی کوشش سے حضرت زینب بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا تھا وہ قریش کے خاندان میں سے تھیں۔ مگر میاں بیوی میں ناانصافی رہتی تھی آخر مجبور ہو کر زید نے آنحضرتؐ سے شکایت کی۔ اور سوائے آپؐ کے زید کا کوئی سرپرست نہ تھا۔ حضرت زید نے طلاق دینی چاہی۔ آنحضرتؐ نے زید کو جس پر اللہ نے انعام کیا اس کو مشرف بہ اسلام کیا اور خود آنحضرتؐ نے بھی اس پر انعام کیا کہ اس کو آزاد کیا، منع کیا اور کہا طلاق نہ دے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ پھوپھی کی بیٹی سے میں نے ہی اس کا نکاح کروایا ہے آخر پھر مجھ کو ہی اس کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور میں جو اس سے نکاح کروں گا تو لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بات تھی کہ جس کو آنحضرتؐ دل میں مخفی رکھتے تھے یعنی سوچتے ہوئے تھے اور اسی وجہ سے لوگوں کی طعنہ زنی سے ڈرتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو تنبیہ کرتا ہے کہ لوگوں سے کیا ڈرتے ہو اللہ سے ڈرنا چاہیئے لوگوں سے ڈرنا اور ایک ناجائز رسم کے توڑنے میں رسول کو دل میں لوگوں کے طعنہ کا خوف کرنا خدا کے نزدیک ناپسند بات تھی۔

تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ پ ۲۲ ع ۲

(ترجمہ) تو اپنے دل میں جو بات سوچ کر چھپاتا اور لوگوں سے ڈرتا ہے اللہ اس کو ظاہر ہی کر کے رہے گا۔ چنانچہ خدا نے اس کو ظاہر کر دیا۔

زید جب اس عورت سے اپنی حاجت پوری کر چکا۔ نکاح کر کے گھر میں رکھ کر طلاق دے دی تو اس کا نکاح کرنے کے لئے ہم نے آپ کو حکم دیا۔ تاکہ مسلمانوں کے لئے منہ بولے بیٹوں کی بیویاں سے نکاح کرنے میں جبکہ وہ ان کو طلاق دے

بارگاہِ ربّ العزّت میں

ہادی حسین شاہد چاند پوری صدر بازار لاہور کینٹ

اے خداوندِ دو عالم مالکِ کون و مکاں
ہے ثنا خواں ذرّہ ذرّہ از زمیں تا آسماں
میرے خالق میرے مالک اے میرے پروردگار
در پہ تیرے ہاتھ پھیلائے ہوئے آیا ہوں میں!
تُو بڑا ستار ہے ۔ غفّار ہے، رحمان ہے
تجھ پہ روشن ہے خداوندا پریشانی مری
بے سہارا ہوں وفورِ غم سے گھبراتا ہوں میں
دستگیری چاہتا ہوں بیکسوں کے دستگیر
میں ترا ناچیز بندہ ہوں، بہت مجبور ہوں
وسوسے دنیا کے ہر لمحہ ستاتے ہیں مجھے!
نفس کے بیرحم چُنگل سے چھڑا لے اے خدا
اے خدا مجھ کو عطا کر نیکیوں کی زندگی
اے خدا تیری رضا ہو مجھ کو ہر شے سے عزیز
اے خدا تیری محبت حاصل کونین ہو!
اے خدا مجھ کو تیری نظر عنایت چاہیئے
اپنی رحمت سے عطا کر زندگی ایمان کی

اے رحیم و اے کریم و اے شفیق دو جہاں
حمد تیری کر سکے کیا خاک کی چٹکی بیاں
جُز ترے کس کو دکھاؤں اپنا قلبِ داغدار!
چند آنسو، چند آہیں نذر کو لایا ہوں میں
دہر کا ہر ذرّہ تیرا تابع فرمان ہے
تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے خستہ سامانی مری
تیرے در پر آ کے دامن اپنا پھیلاتا ہوں میں
خوفِ عصیاں سے پریشاں ہے مرا قلب و ضمیر
زندگی کے راستے میں دردِ دل سے چور ہوں
سیم و زر کے خواب، دیوانہ بناتے ہیں مجھے
تو زمانے کی برائی سے بچا لے اے خدا
میری آنکھوں میں بسے صدق و صفا کی روشنی
میرے دل کو اب نہ بھائے تجھ سے زیادہ کوئی چیز
مضطرب دل کو تری حمد و ثنا سے چین ہو!
ساری دنیا کے عوض تیری مسرت چاہیئے
میں غلامی چاہتا ہوں سرورِ ذی شان کی

تیرا شاہد تیرے ذکر و فکر سے دل شاد ہو
دل میں اس کے تیری الفت کا جہاں آباد ہو

گزشتہ سے پیوستہ

علامہ قاضی
محمد زاہد الحسینی صاحب
کا

ماہانہ درسِ قرآن

واہ کینٹ میں

مرتبہ
عثمان غنی بی اے

●●●●●●●●●

حضرت مولانا علامہ قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی نے سورہ فاتحہ کی آخری ساڑھے تین آیات پر ۲۷ دسمبر ۱۹۶۴ء جو درس ۱۵ جامن روڈ واہ کینٹ میں دیا اس کا ایک حصہ اس شمارہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرماویں۔ اگلا درس ۲۴ جنوری ۱۹۶۵ء کو ہو گا۔

میرے دوستو اور میرے بھائیو! الحمد للّٰہ آج ہم اپنے ماہوار درس کے دوسرے شمارے پر پہنچ چکے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی قرآن سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ گزشتہ درس میں سورہ فاتحہ کی پہلی ۳½ آیتوں کا درس ہو چکا تھا جس میں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ تک کچھ معروضات اپنے ناقص علم کے مطابق پیش کی گئی تھیں۔ آج کے اس درس میں جو آخری ۱½ آیتیں ہیں ان کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

ربّ العالمین عزاسمہٗ نے اپنی نہایت مہربانی اور اپنے کرم اور رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کو مانگنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ مجھ سے یوں مانگو۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللّٰہ علیہ نے اس سورت کے فوائد میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ سورہ فاتحہ اس طریقے کا ایک بیان ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ مجھ سے مانگنا ہو تو یوں مانگو۔ گویا یہ سورت بھی تعلیمًا لِلنّاس ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس سورت کے جو اور نام بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک نام المسئلہ بھی ہے۔ مسئلہ کا معنیٰ سوال کرنا ہے اور بندہ ویسے اللّٰہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہی رہتا ہے، اضطرارًا ہو یا اختیارًا ہو۔ تو اس سورت کی پہلی شروع کی آیات میں اللّٰہ تعالیٰ کی حمد و ثنا تھی جس کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں اور آج کی آخری ۳½ آیتوں میں انسان اپنا مدعا اپنا مقصد ربّ العالمین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ۔ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ علمی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں التفات یعنی پہلے بندے نے اللّٰہ تعالیٰ کے حضور میں جو کچھ پیش کیا وہ غائب کے صیغے تھے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ تمام تعریفیں اللّٰہ کا حق ہیں۔ وہ اللّٰہ جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے، وہ رحمٰن ہے، وہ رحیم ہے، وہ بدلے کے دن کا مالک ہے، یہ سب غائبانہ ہیں۔ اب اِیَّاکَ نَعۡبُدُ یہ خطاب کا مقام ہے، ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم سب اس کی عبادت کرتے ہیں بلکہ فرمایا ہم سب ہی تیری عبادت کرتے ہیں کلام کو ایک طریقے سے بدل کر دوسرے طریقے کو اختیار کرنا اس کا نام ہماری علمی اصطلاح میں التفات ہے اور التفات کے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ آخر ایک طریقۂ کلام کو بدل کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا کسی وجہ ہی سے ہو سکتا ہے اور وہ وجہ جیسا کہ ہمارے اکابر علمائے تفسیر نے فرمایا یہ ہے کہ جب ایک انسان اپنے مولا کے حضور میں اس کی حمد و ثنا کرتا ہے تو پہلے تو انسان کا واقعی غائبانہ ہی تعلق ہے۔ ہر انسان دفعتًہ واحدہ پیدائشی یا ابتدائی طور پر کس طرح اللّٰہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو سمجھ سکتا ہے۔ پھر وہ انسان جو گناہوں کا پتلا ہو وہ کس طرح اپنے آپ کو اس قابل بنا سکتا ہے کہ وہ اللّٰہ تعالےٰ کے حضور دفعتًہ پہنچے اور اس کے ذہن میں بجائے غائبیت کے خطاب کا مقام آ جائے۔ لیکن جب ایک بندے نے اللّٰہ کی حمد و ثنا ان الفاظ میں کی جو اللّٰہ تعالیٰ ہی نے بتائے تو اس کے دل اور دماغ میں یہ قوت پیدا ہوئی۔ یہ اثر پیدا ہوا کہ اس نے فورًا اپنے آپ کو بجائے غائبیت کے مشہور کے مقام پہ پہنچا دیا کہ اب وہ اللّٰہ جسے میں غائبانہ پکار رہا تھا۔ اب میں تیرے سامنے ہوں اسی کو جناب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا تَعۡبُدُ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

تو اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقے پر کر، اس یقین کے ماتحت کر جیسا کہ تو اللّٰہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ اور اگر تیری یہ کیفیت نہیں کہ تو اللّٰہ کو دیکھ سکے فَاِنَّہٗ یَرَاکَ تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے، یعنی عبادت میں عبد اور معبود کے درمیان تعلق استوار کرنا یہ سب سے بڑا مقصد اور مفہوم ہے عبادت کا۔ تو یہاں پر ارشاد فرمایا اِیَّاکَ نَعۡبُدُ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ ہمارا معبود تیرے بغیر کوئی نہیں۔ عبادت کے مفہوم پر میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔ اور ہم سب خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہ ہمارا مقصد ہے۔ ۳½ آیتوں میں خداوند قدوس کی ساری حمد و ثنا تھی اور اب ہمارا مقصد شروع ہوا ہے۔ چاہتے کیا ہیں؟ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔ اے اللّٰہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ درحقیقت عبادت کے اظہار کے ساتھ ساتھ استعانت یعنی اللّٰہ تعالےٰ سے مدد طلب کرنے کو جو جوڑ دیا تو بتانا یہ مقصود ہے کہ یا اللّٰہ! ہماری عبادت بھی اس وقت ہو سکتی ہے جب تیری مدد ہو۔ اگر تیری مدد نہ ہو تو ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے اور بات بالکل ظاہر ہے۔ جسے اللّٰہ نہ بلائے، اسے کون بلائے؟ اللّٰہ چاہے تو بلال حبشیؓ کو افریقہ سے اٹھا کر جناب محمد الرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے اور نہ چاہے تو ابولہب جیسے انسان کو جو محمد الرسول اللّٰہؐ کا رشتہ دار ہے، حضور اکرمؐ کو رات دن دیکھنے والا ہے جس نے چالیس سال تک جناب محمد الرسول اللّٰہ کو دیکھا جب اللّٰہ تعالیٰ نے نہ چاہا تو وہ دولتِ ایمان سے محروم رہا۔ اور چاہا تو بلالؓ حبشی کو ابی سینیا سے بھیج دیا۔ سلیمانؓ فارسی کو ایران سے بھیج دیا اور صہیبؓ رومی کو روم سے بھیج دیا تو اللّٰہ تعالےٰ مدد فرمائیں تو اس وقت عبادت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر اللّٰہ مدد

نہ فرمائیں تو انسان کی کوئی طاقت نہیں کہ وہ انسان اللہ تعالٰے کے حضور میں سجدہ ریز ہو سکے۔

یہ بھی ساتھ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اللہ اس کی مدد کرتے ہیں جو اللہ کی طرف انابت کرے۔ یَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو قانون بیان فرمائے، ایک اجتبیٰ کا قانون ...ن نبوت کا، کہ نبی بنانے کیلئے جو نبی بننا چاہے وہ نبی نہیں بن سکتا کہ اُسے ہیں نبی بنا ...۔ کوئی کورس نہیں ہے نبوت کا۔ ایک آدمی محنت کرے کہ میں نبی بننا چاہتا ہوں تو وہ نبی بن جائے؟ نہیں۔ وہ اجتبیٰ ہے۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ اللہ چن لیتے ہیں اپنی طرف جس کو بھی چاہیں اور وہ جسے نبی بنائیں وہ ان کی اپنی مرضی ہے، اور جن کو بنانا تھا وہ بنا چکے ہیں۔ لیکن ہدایت۔ یَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ اور اللہ ہدایت دیتے ہیں اپنی طرف ہر اس انسان کو جو انابت کرے۔ جو قدم اٹھائے اللہ تعالٰے اس کے قدم کو ضائع نہیں کرتے اور اسی کی تفصیل فرمائی حدیث قدسی میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو آدمی میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اس کی طرف دس بالشت جاتا ہوں اور جو آدمی میری طرف پیدل آتا ہے، میں دوڑ کر جاتا ہوں۔ یہ گویا ایک مناسبت بیان فرمائی کہ بندہ چاہے تو میں اس کو قبول کرتا ہوں اگر نہ چاہے تو اللہ تعالٰے کو ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ بندے نیک بنیں اس لئے کہ خداوند تعالیٰ کی خدائیت ہماری عبادتوں پر موقوف نہیں ہے تو یہاں ارشاد فرمایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ خاص تیری ہم عبادت کرتے ہیں وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور خاص تجھ ہی سے ہم مدد مانگتے ہیں، کس بات کی؛ عبادت میں۔ جب تیری مدد ہمارے شامل حال ہوگی تو ہم تیری عبادت کریں گے، تیرے بندے بن جائینگے اور تیری مدد کے بغیر ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے۔ تو مدد کرے گا تو ہم تیری عبادت کرینگے اگر تو مدد نہیں کرے گا تو ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے۔ یہ تو ایک مفہوم ہوا۔ اور ایک یہ بھی ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی سب عبادت کرتے ہیں۔ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور خاص تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ جب ہمارا معبود تُو ہے تو مستعان بھی تُو ہے، جس کی ہم عبادت کرتے ہیں وہی ہمارا مستعان ہے۔ تیرے بغیر ہمارا کوئی مستعان نہیں۔ تیرے بغیر ہمارا کوئی معین نہیں تو ہی ہمارا مددگار ہے۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے انبیاء علیہم السلام کے سارے کلمات میں، قرآنِ کریم میں جہاں

پر آیا علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر شہادت پیش فرمائی۔ قرآن شریف میں آتا ہے کہ ہجرت کے دوران جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں محبوس تھے اور جب مشرکین مکہ نے آپ پر تعاقب کیا اور حضورؐ کے اس غار تک جا پہنچے تو ابوبکر صدیقؓ نے حضورؐ کے سامنے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ اب تو ہم پائے جائیں گے، اب تو ہم قابو میں آ جائیں گے کیونکہ وہ تو غار کے منہ پر آ چکے ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے ان کے قدموں کو دیکھ لیا تو امام الانبیاء فرماتے ہیں۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہ آپ بالکل غم نہ کھائیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ حضورؐ نے اس غار میں جہاں پر کوئی مفر نہیں تھا جہاں پر کوئی نکلنے کی جگہ نہیں تھی، اللہ تعالیٰ کی مدد کا اظہار کیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق قرآن میں ارشاد آتا ہے کہ جب آپ کو فرعون نے پالیا، جب آپ بحیرہ قلزم کے کنارے پہنچتے ہیں اور پیچھے فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پہنچتا ہے تو قوم عرض کرتی ہے کہ اے موسیٰؑ اب ہم پالیے گئے اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ۔ اب ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ اب ہمارے لئے کوئی نجات نہیں آگے بحیرہ قلزم ہے اور پیچھے فرعون کی فوجیں ہیں اب تو ہم کسی صورت میں بھی ان سے نہیں چھوٹ سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کَلَّا، اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرا رب میرے ساتھ ہے، سَیَھْدِیْنِ جو ابھی میری رہنمائی کر دے گا۔ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت بھی جبکہ اسباب کی بظاہر کوئی بھی کیفیت موجود نہ تھی۔ سامنے بحیرہ قلزم، نہ کشتی پاس، نہ کوئی جہاز پاس، کچھ بھی پاس نہیں ہے اور پیچھے فرعون جیسا دشمن موجود ہے لیکن نبی کے ایمان کا یہ کمال ہے کہ حالات اور واقعات اور اسباب کے نہ ہوتے ہوئے بھی نبی نے اپنی امت کے سامنے جو نکتہ پیش فرمایا، وہ رب العالمین کی معیت تھی کہ تم اللہ سے مدد مانگو اور اسی لئے آپ نے فرمایا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔ تم اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو کہ فرعون ہمیں پالے گا اس لئے کہ مجھے اللہ نے حکم دیا اَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا کہ اے موسیٰ تو میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جا، تو جس اللہ نے مجھے حکم دیا ہے وہ اللہ میرا محافظ ہے۔

نبی کو اللہ تعالیٰ کی بات پر یقین کامل ہوا کرتا ہے۔ نبی کبھی بھی (نعوذ باللہ) اس بات کو نہیں محسوس کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ جو

وعدہ فرماتے ہیں شاید اس وعدے کو وہ بھول جائیں یا وہ ہماری مدد نہ کریں۔ قرآن کریم میں صاف آتا ہے اللہ تعالٰے فرماتے ہیں مجھ پر لازم ہے کہ میں مومنوں کی مدد کروں بشرطیکہ مومن مجھے پکاریں، مجھ پر یقین کامل رکھیں۔ قرآن میں اس کی بڑی مثالیں ہیں۔ یونس علیہ السلام کا واقعہ قرآن شریف میں موجود ہے کہ ایسی جگہ جہاں پر کوئی انسان تدبیر کارگر ہی نہیں ہو سکتی تھی، دریا۔ اور پھر دریا کے اندر بھی مچھلی اور مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونسؑ پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف گواہ ہے وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ۔ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُـْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ فرمایا دیکھو تم مچھلی والے کی طرف تو غور کرو۔ وہ جب دریا کے پیٹ میں پہنچے مچھلی کے پیٹ میں پہنچے ان کا شاید یہ خیال تھا کہ اب وہاں پر تنگی نہیں ہوگی اس لئے وہ اپنے شہر سے نکل گئے۔

قدر کا معنی یہاں پر قادر ہونا نہیں ہے نبی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ خدا مجھ پر قادر نہیں ہوگا۔ قدر تنگی کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں دوسری جگہ پر آتا ہے وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىہُ فَقَدَرَ عَلَیْہِ رِزْقَہٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَھَانَنِ کہ بندے کا رزق جب تنگ کر دیا جاتا ہے تو بندہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے مجھے (نعوذ باللہ) ذلیل کر دیا تو یونسؑ کا بھی یہی خیال تھا کہ میں اپنی بستی سے جب نکل جاؤں گا تو آئندہ میرے لئے راحت ہی راحت ہوگی جیسا کہ ہجرت میں راحت ہوتی ہے۔ نبی کا صحیح خیال تھا۔ قرآن شریف میں آتا ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں سے نکل جاتے ہیں دین کے لئے، میں ان کے لئے وسعتیں پیدا کر دیتا ہوں، تو حضرت یونسؑ جب پہنچتے ہیں مچھلی کے پیٹ میں تو وہاں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور عرض کرتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ فرمایا فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ ہم نے فوراً اس کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے اس کو غم سے نجات دی، وَکَذٰلِکَ نُـْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ اور ہم یونہی ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

یہاں ایک چھوٹا سا نکتہ ہے جس کا مقام یہاں نہیں ہے لیکن بیان کرنا کچھ بہتر ہی معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ آتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں بسا اوقات ایسے معاملات میں پھنس جاتی ہیں وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور ان کے ساتھ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ حالات کی ناسازگاری سے گھبرا جاتے ہیں وہ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں اور وہ یہ کہنے لگتے ہیں مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ۔ اللہ کی مدد کہاں ہے ؛ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ۔ یاد رکھو اللہ کی مدد قریب ہے تو میں نے آپ کے سامنے جو کچھ ابھی عرض کیا کہ انبیاء علیہم اسلام نہیں گھبراتے حضرت رسول اکرمؐ نے غار میں یہ نہیں فرمایا کہ اب ہم پکڑے گئے بلکہ فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے بحیرہ قلزم کے کنارے پر نہیں فرمایا کہ ہم پکڑے گئے بلکہ فرمایا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ تو یہاں قرآن کی اس آیت کا آپس میں تضاد نہیں ہے بلکہ جیسا کہ علماء تفسیر اور محققین نے لکھا کہ یہ دو کلامیں ہیں وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ۔ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ یہ نبی کی اور امت کی آپس میں باتیں ہیں، میدان جنگ میں کہ میدان کارزار میں جب حالات کی ناسازگاری سے امت گھبرا جاتی ہے تو وہ اپنے نبی سے پوچھتی ہے مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ۔ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ جس مدد کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تو نبی جواب میں یہ فرماتے ہیں اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ۔ یاد رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔ انبیا علیہم السلام حالات کی ناسازگاری سے نہیں گھبرایا کرتے کیونکہ ان کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی بلکہ خالق اسباب پر ہوا کرتی ہے۔

بات ذرا لمبی ہو گئی ہے لیکن سب قرآن ہی ہے۔ یہی چیز ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جس وقت طوفان نوح میں آپ کشتی میں سوار ہیں۔ اپنے بیٹے سے آپ فرماتے ہیں، وَنَادٰی نُوْحُ ٰ ابْنَهٗ وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ سورۂ ہود میں آتا ہے نوحؑ اپنے بیٹے کو پکارتے ہیں کہ اے میرے بچے میرے ساتھ ہو جا کافروں کے ساتھ مت ہو۔ وہ جواب میں کہتا ہے قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ اے اباجی! میں ابھی ایک پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے ڈوبنے سے بچا لے گا یعنی بیٹے کے سامنے سبب تھا وہ سمجھا کہ میرے اباجی مجھے بلا رہے ہیں کہ آ کشتی میں میرے ساتھ سوار ہو تاکہ تجھے کشتی ڈوبنے سے بچا لے جیسے مجھے بچا لے گی اس نے جواب میں کہا کہ اگر تیرے پاس ایک سبب ہے بچنے کا تو میرے پاس بھی ایک سبب ہے بچنے کا میں بھی پہاڑ پر پہنچ جاؤں گا، میں بھی بچ جاؤں گا۔ لیکن نوحؑ کیا جواب دیتے ہیں فرمایا۔ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اے میرے بچے! آج اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہی بچے گا جس پر خدا کا رحم ہو گا۔ نہ میری کشتی بچا سکتی ہے نہ تیرے اسباب بچا سکتے ہیں۔ نوحؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ آج وہ بچے گا جو میری کشتی پر سوار ہو گا۔ نوحؑ کی نظر سبب پر نہیں، سبب بنایا۔ اللہ کے حکم سے لیکن نظر سبب پر نہیں بلکہ مسبب پر ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے۔ تو عرض یہ ہے۔ یہاں پر ارشاد فرمایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں مقصود ہے مدد مانگنا اور عبادت اس کا ذریعہ ہے۔ گویا مفہوم یہ بنے گا۔ وایاک نستعین و ایاک نعبد۔ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی مدد کے لئے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں مدد ہم تجھ سے مانگتے ہیں اور اس مدد کا اظہار ہم کس طرح کرتے ہیں؟ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اکبر، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی یہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں تو کیوں کہہ رہے ہیں؟ تجھ سے مدد مانگنے کے لئے مقصود ہمارا یہ ہے کہ تو ہمارا مستعان ہے تو ہمارا معین ہے۔ مدد مانگتے کیا ہیں؟ آ چاہتے کیا ہیں؟ کوٹھی ملے؟ دولت ملے؟ مکانات ملیں؟ ترقی ملے؟ - نہیں - فرمایا یہ سب فروعی چیزیں ہیں ہم ایک بہت بڑی چیز کی تجھ سے مدد مانگتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ چلا ہم سب کو سیدھے راستے پر۔ ہم تجھ سے یہ مدد مانگتے ہیں۔ ہماری ساری محنت اور مشقت کا جو مدعا اور نتیجہ ہونا چاہیئے وہ صراط مستقیم پر چلنا ہو۔ ہدایت کے بارے میں ہمارے علماء اسلام فرماتے ہیں کہ ہدایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں مُوصلہ الی المطلوب جو مقصود تک پہنچا دے اور ایک کو کہتے ہیں اراءت الطریق جو رستہ دکھا دے۔ ہدایت کے دو معنی ہیں۔ رستہ دکھانا اور رستے پر چلانا۔ اللہ تعالیٰ علماء اسلام کو جزائے خیر دے کہ ہم جیسوں کو سمجھانے کے لئے انہوں نے بڑی محنتیں فرمائی۔ تو انہوں نے قرآن کریم کے ارشادات کی روشنی میں ہمیں بتایا کہ جہاں پر ہدایت کی نسبت ہو اللہ کی طرف وہاں پہ معنیٰ ہو گا۔ مُوصلہ الی المطلوب مطلوب تک پہنچا دینے والی ہدایت۔ اور جہاں پہ ہدایت کی نسبت اللہ کے سوائے کسی اور کی طرف ہو۔ قرآن کی طرف ہو، نبی کی طرف ہو، کسی عالم دین کی طرف ہو، کسی ہادی کی طرف ہو وہاں پر معنی ہو گا رستہ دکھا دینا۔ اس کی موٹی سی مثال ہے۔ آپ میں سے کوئی دوست اپنی کار لے کر راستے میں کھڑے ہوں، سڑک پر ایک آدمی آیا۔ کہتا ہے بھائی جان مجھے آپ راولپنڈی کا رستہ بتا دیں۔ مجھے راولپنڈی جانا ہے۔ آپ نے کہہ دیا بھائی صاحب یہ سیدھی سڑک جاتی ہے۔ یہاں سے جاؤ گے ٹیکسلا۔ ٹیکسلا سے آگے راولپنڈی آ جائیگی یہ آپ نے رستہ بتا دیا، آپ اپنے گھر چلے آئے، اب وہ جائے نہ جائے۔ اس کی مرضی۔ آپ نے رستہ بتا دیا۔ اور ایک یہ ہے کہ آپ نے کہا اچھا بھائی آپ راولپنڈی جانا چاہتے ہیں؟ تو چلو بھائی میرے پاس گاڑی فارغ ہے اور میں بیکار ہوں بلکہ میری ڈیوٹی بھی یہ ہے کہ میں آج آپ کو راولپنڈی چھوڑ آؤں۔ آپ نے موٹر میں بٹھایا اور جہاں وہ جانا چاہتے تھے وہاں جا کر آپ نے ان کو چھوڑ دیا یہ بھی ہدایت ہے۔ یہ ہے مُوصلہ الی المطلوب آپ نے اس کو مقصد تک پہنچا دیا تو اللہ سے جو ہم دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ تو ہمیں ہدایت دے تو ہدایت اللہ سے جو ہم مانگتے ہیں وہ یہ ہونی چاہیے کہ یا اللہ تو ہمیں اپنے مطلوب تک پہنچا دے کیونکہ دکھانے کے لئے تو نبی تشریف لائے۔ اگر ہم یہ دعا کریں کہ اللہ! ہم کو سیدھا رستہ دکھا۔ تو دکھایا تو ہمیں بہت سے لوگوں نے۔ ہمیں عقل سلیم نے بھی دکھا دیا کہ اللہ ہے، ہم نے اپنے علم سے بھی سمجھ لیا کہ اللہ ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیں دکھاتا ہے کہ اللہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف ایک شعر کی نسبت ہے ؎

فَفِیْ کُلِّ شَیْئٍ لَهٗ اٰیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں اس کی دلیل ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ مولانا روم نے اس کی تفصیل میں بیان فرمایا کہ تم دیکھو کہ زمین سے جو سبزہ اگتا ہے وہ صرف ایک ہی تنکا ہوتا ہے۔ کسی بڑے پودے کا ہو کہ چھوٹے پودے کا ہو۔ خواہ جا کے بعد میں وہ تناور درخت بن جائے۔ لیکن جب زمین سے اگتا ہے تو وہ وحدت ہی کو لے کے اگتا ہے تو کائنات ساری ہی یہ بتاتی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے جو مانگتے ہیں وہ کونسی ہدایت

ہے؟ موصلہ الی المطلوب ۔ اے اللہ چلا ہم کو اس راستے پر جو راستہ سیدھا ہے اور یہ بھی ہے کہ اے اللہ دکھا ہم کو سیدھا راستہ کیا مفہوم ؟ کہ یا اللہ! جو تیرا سیدھا راستہ ہے تجھ تک پہنچنے والا ہے وہ ہمیں دکھا اور اس کے بعد ہم میں وہ قوت پیدا کر کہ ہم اس راستے پر چلیں۔ اس لئے دونوں ترجمے علماء کرام نے کئے۔ صراطِ مستقیم کسے کہتے ہیں؟ قرآن شریف کی روشنی میں اس کی تفصیل ہے۔

وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ۔

فرمایا کہ اے دنیا والو میرا راستہ جس راستے کو میں نے اختیار کیا ہے۔ یہ راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ اس راستے کو تم چھوڑ کر دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ تم کو بھرے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ تو صراطِ مستقیم کا انحصار کس راستے میں ہے؟ جو راستہ اختیار فرمودہ ہے۔ جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسی راستے کو سب انبیاء لے کر آئے۔

میں چھوٹی سی یہ بات اور بھی عرض کر دوں کہ یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ جو پہلے راستے تھے کیا وہ راستے سیدھے نہیں تھے تو میرے دوستو اور میرے بزرگو انبیاء علیہم السلام تعلیمات کے اصول میں سب متفق ہیں جیسا کہ حضرت انور شاہ صاحبؒ نے اور دوسرے علماء محققین نے فرمایا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے پاس جو تعلیم تھی یہ تعلیم ساری کی ساری وہی تعلیم ہے جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ انبیاء کرام نے وقتی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی روشنی میں ان کے لئے جزوی جو کچھ دفعات مرتب کی ہیں ان میں تو کچھ فرق ہو سکتا ہے لیکن اصولی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں سب کی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ تعلیم کیا ہے؟ جیسا کہ سورہ انبیاء میں فرمایا وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۔ ہم نے جتنے رسول دنیا میں بھیجے سب کی طرف ہم نے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری عبادت کرو۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ۔ یہ معبود ماننا رب العالمین کو یہ صرف خاصہ جناب محمد الرسول کی تعلیم کا نہیں ہے بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی یہی تعلیم ہے۔ اس لئے اھدنا الصراط المستقیم سے مراد جو راستہ ہے اس اسلام کا اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا یہ وہی راستہ ہے جو سب انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے اور اس راستے کا بالذات تعلق جناب محمد الرسول اللہ کے ساتھ ہے۔

یہاں ضمناً تھوڑی سی بات میں عرض کر دوں۔ حضورؐ کو حکم ہوا قرآن شریف میں اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ۔ انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ جن کو اللہ نے سیدھے راستے پر لگایا جو رستے پر چل کر مقصود تک پہنچے بلکہ دنیا کے لئے ہادی بن گئے۔ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ۔ پس اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی ہدایت پر چل۔ تو یہاں پر ایک نکتہ حل کیا علماء تفسیر نے جس میں انور شاہ صاحبؒ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ فَبِھِمُ اقْتَدِہْ کہ تو ان کی اقتداء کر۔ یہ نہیں فرمایا۔ اے میرے حبیبؐ تو ان کی ہدایت کی اقتدا کر اور یہ وہ ہدایت ہے جو سب سے پہلے تجھے دی گئی یوم ازل میں، یوم ارواح میں۔ ارواح۔ میں جب میں نے اپنا پیغام بھیجا تو سب سے پہلے جس روح نے لبیک کہا وہ جناب محمد الرسول اللہ کی تھی۔ پھر وہ پیغام منتقل ہوتا چلا آیا۔ حضرت آدمؑ کے بدن میں۔ حضرت نوحؑ کے بدن میں اور اسی کی طرف قرآن میں تصریح ہے۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ

اے میرے حبیبؐ ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے وحی کی ہم نے نوحؑ کی طرف اور پچھلے رسولوں کی طرف۔ تو حضورؐ کی وحی کو مقدم کیا۔ اس لئے حضورؐ فرماتے ہیں کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَ الطِّیْنِ۔ میں تو اس وقت بھی نبی تھا۔ جب انسان کا وجود ہی نہیں بنا تھا۔ آدم بین الماء و الطین تھا میں تو اس وقت بھی نبی تھا۔ نبی تھا۔ جسمانیت نہیں بلکہ نبوت مجھے عطا ہوئی تھی مجھے اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبی بنایا جب آدم بین الماء والطین تھے۔ یہ دین کی چند ضروری باتیں ہوتی ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے میرے دوستو اور میرے بزرگو دیکھئے عام انسانوں کے متعلق کیا آتا ہے قرآن میں؟ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ۝

انسان پر ایسا دور بھی گزرا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا۔ آپ جتنے دوست یہاں مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں واللہ آپ کو جزائے خیر دے اس مجلس کی برکت سے، آپ میں سے کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ جب میں ایک سال کا تھا تو میرے اباجی کونسا کام کرتے تھے۔ جب میں تین مہینے کا تھا تو میری والدہ صاحبہ کیا کام کرتی تھیں؟

نہیں بتا سکتے۔ ہمیں تو شعور کی باتیں بھی یاد نہیں۔ اب تو حافظے اتنے کمزور ہیں ڈالڈا کھا کھا کر کہ کل کی بات یاد نہیں رہتی گھنٹے کی بات یاد نہیں رہتی۔ اب تو ڈائریاں ہم نے بنائی ہیں۔ ڈائریوں پر لکھتے ہیں کل کیا کرنا ہے۔ پرسوں کیا کرنا ہے۔ پروگرام بناتے ہیں ہم اور ایک وہ زمانہ تھا کہ سینہ بسینہ ہزارہا باتیں یاد تھیں۔ صحابہ کرام جناب محمد الرسول اللہ سے جو سنتے تھے فوراً یاد کر لیتے تھے۔

اب تو ہمارے لئے ریکارڈنگ مشینیں اور ٹیپ ریکارڈر ہیں۔ ان کے دل ریکارڈنگ مشینیں تھے۔ ہمیں کسی کو یہ یاد نہیں کہ میرے بچپن میں کیا حالات تھے اور پیدا ہونے سے پہلے کیا حالات تھے وہ تو ناممکنات میں سے ہے لیکن جناب محمد الرسول اللہ یہ فرماتے ہیں کنت نبیًا و آدم بین الماء والطین۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ تو نبوت کا علم ہوا یا نہ ہوا؟ تو جب نبوت کا علم ہے تو اور اپنا علم نہ ہو گا؟ کہ میں کون تھا؟ اس لئے جیسا کہ حضرت استاذ العلماء، حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم نے فرمایا اور بڑی اچھی بات فرمائی۔ عالموں کی مجلس بڑی اچھی ہوتی ہے۔ (علماء عاملین کی) انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ کا علم جو ہے اس وقت سے شروع ہے۔ جب روح محمد رسول اللہ کو پیدا کیا گیا۔ اس وقت سے اللہ آپ کو تعلیم دیتا چلا آ رہا ہے۔ اس وقت بھی تعلیم دی پھر اس عالمِ ناسوت میں بھی تعلیم دی، جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔ اور اب بھی اللہ تعالیٰ آپ کو تعلیم دے رہا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ تعلیم قیامت تک جاری رہے گا اور مولانا درخواستی کی ہی یہ بات عرض کر رہا ہوں وہ زندہ ہیں، سلامت ہیں (اللہ ان کو سلامت رکھے) وہ فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل انہوں نے بتائی۔ حضورؐ کی حدیث ہے، بخاری میں موجود ہے کہ قیامت کے دن جب ساری مخلوقات دوسرے انبیاء کے پاس جائے گی اور شفاعت کے لئے ان سے سوال کرے گی اور وہ شفاعت سے اپنے پہلو کو بچائیں گے اور وہ عذر پیش کریں گے تو پھر ساری مخلوقات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گی اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں کیا کروں گا؟ فرمایا آپ نے کہ میں اس وقت سربسجود ہو جاؤں گا اور میں اللہ کی وہ تعریفیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس

بقیہ : ماہانہ درس قرآن

وقت تباہیں گے ، آپ نہیں تبائیں ، معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک علم جاری رہے گا پڑھانے والے اللہ تعالیٰ اور پڑھنے والے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر یاد رہے جو علم احکام اور تشریح کے متعلق تھا وہ سب کا سب آپؐ کو دے دیا گیا۔ جیساکہ سورۂ المائدہ کی آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے معلوم ہو رہا ہے۔ یہ ازدیاد علم اس دعا کی قبولیت میں ہے جو بامرِ خداوندی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ یہ سورہ طٰہٰ میں ہے جو مکی ہے اور ارشاد قرآنی علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔

سورہ النساء میں ہے جو مدنیہ ہے تو میں عرض یہ کر رہا تھا یہاں پہ

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ یا اللہ چلا تو ہم سب کو سیدھے راستے پر اور سیدھا راستہ وہ کونسا ہے؟ وہ راستہ ہے جناب محمد الرسول اللہ کا اور یہ وہ تعلیم ہے جو سب نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی۔ تو پہلی تعلیم جسے دی وہ جناب محمد الرسول اللہ ہیں۔ حضورؐ کی تعلیم منتقل ہوئی حضرت آدمؑ میں، حضورؐ کی تعلیم منتقل ہوئی حضرت نوحؑ میں، حضورؐ کی تعلیم منتقل ہوئی حضرت موسیٰ میں، حضورؐ کی تعلیم منتقل ہوئی حضرت عیسیٰؑ میں۔ حضورؐ کی تعلیم ہے جو محمد الرسول اللہ کو بِلا واسطہ ملی اور یہی بات ہے جب حضرت رسول اللہ نے ایک مقام پر فرمایا اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرے اتباع کے سوا ان کو کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ تو یہ صراطِ مستقیم کونسا راستہ ہے؟ یہ راستہ ہے جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ : حضرت زید بن حارثہ

چکیں کوئی ممانعت نہ رہے یعنی یہ عورت اسلام میں محرمات میں سے نہیں ہے اور ایک رسم کی وجہ سے لوگ اس کو حرام جانتے ہیں تاکہ یہ رسم اور الحاق جاہلیت مٹ جائے۔ درحقیقت ایسے رسوم کے توڑنے میں لوگوں پر بڑے حملے ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بات ہو کر رہنے والی تھی۔ خدا کو اس کا مٹانا منظور تھا اگر کوئی شبہ کرے کہ اس رسم کو نبیؐ سے کیوں مٹوایا کسی اور کا نکاح کر کے اس کو توڑنا تھا اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبی پر کیا عیب ہے اور کیا تنگی اور ممانعت ہے اس کام کے کر لینے میں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا یا اس کو اس پر مامور کر دیا۔ پہلے انبیاء و صلحا میں بھی اللہ کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ سے رسوم جاہلیت تڑوایا کرتا ہے۔ انہیں کو اس کے توڑنے پر مامور کیا جاتا ہے کیونکہ نشانہ ملامت بننا انہیں مردانِ خدا کا کام ہے۔ اور اللہ کی بات مقرر ٹھہرائی گئی ہوتی ہے وہ ٹلتی نہیں ہو کر رہتی ہے اور یہ دستور رسم شکنی کن لوگوں کا ہے؟ صرف ان لوگوں کا جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔ کسی کے طعن و تشنیع اور برا بھلا کہنے کی ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو" جو ان پاک بازوں پر طعن کرتے ہیں وہ ان سے ضرور حساب لے گا۔ باز پرس کرے گا۔

میاں غلام حسین قلعہ گوجر سنگھ لاہور

مکافاتِ عمل

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافاتِ عمل غافل مشو

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ؕ

(پارہ ۲۵ سورۃ الشورٰی آیت ۳۰)

ترجمہ۔ اور تم پر جو مصیبت آتی ہے۔ تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے آتی ہے اور وہ بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

مصائب نتائج اعمال ہوتے ہیں درد و غم اور سوز و الم نتیجہ ہے۔ جرم و معصیت کا۔ گناہ و بدکرداری کا۔ ذمائم اخلاق کا اور ان سے پیدا ہونے والے افعال و اعمال کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا ھِیَ اَعْمَالُکُمْ تُرَدُّ عَلَیْکُمْ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم پر لوٹائے جاتے ہیں۔ یعنی جیسے اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں۔ ویسا ہی بدلہ دیا جاتا ہے۔ کسی چیز کا ظل یا سایہ اس چیز کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کوئی شے ٹیڑھی ہوگی تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا۔ اگر سیدھی ہے تو سایہ بھی سیدھا ہوگا۔ جس نے توقع کی کہ ٹیڑھی شے کا سایہ سیدھا ہو۔ تو اس نے محال کی تمنا کی۔ اس لئے یاد رکھو کہ جو سوز و غم تمہارے دل کو کھا رہا ہے۔ یا جو مصیبت تم پر نازل ہو رہی ہے۔ وہ نتیجہ ہے تمہارے اعمال بد کا۔ ہر مصیبت کے وقت اگر انسان سوچ بچار سے کام لے اور دیانت فکری سے غور کرے تو وہ یقیناً اس امر کا قائل ہو جائے گا۔ کہ درد و الم جو اس کو ستا رہا ہے۔ اور پریشان کر رہا ہے۔ اس کے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اور اس کے کرتوتوں کی سزا ہے لوگ اللہ تعالےٰ سے بغاوت اور شرارت کرکے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ورنہ خدا کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں ہے اللہ تعالےٰ نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے۔ نہ کسی کی ادنےٰ سے ادنےٰ نیکی ضائع ہونے دیتا ہے۔ نیکی اور بدی کے درخت پر وہی پھل لگتا ہے۔ جو اس کی طبیعت نوعیہ کا تقاضا ہے۔ کفر و ایمان اور طاعت و معصیت ہیں اسی طرح علیحدہ علیحدہ خواص و تاثیرات ہیں۔ جس طرح زہر اور تریاق ہیں۔

جس طرح نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں۔ اسی طرح مصائب کا نزول بھی خاص اسباب و ضوابط کے تحت ہوتا ہے مثلاً عام لوگوں کو جو مصائب و تکالیف پیش آتی ہیں۔ ان کا سبب ان کے اپنے ہی اعمال و افعال ہوتے ہیں۔ دنیا میں ہر مصیبت بندوں کے اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور مستقبل میں ان کے لئے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے۔ اضطراب اور پریشانیاں دراصل قدرت کی وعیدیں ہوتی ہیں جو انسان کو مکافات عمل کے طور پر پہنچتی رہتی ہیں۔ انسان جو بوتا ہے وہ اسے کاٹنا ہی پڑتا ہے۔ جَو بو کر گندم کاٹنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ بیج جو بھی زمین میں ڈالا جائے گا وہ جلدی یا بدیر اُگ کر رہے گا۔ بعض بیج جلدی پودے بن کر سامنے آجاتے ہیں اور بعض کو اپنی نشو و نما کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ دنیا میں اعمال کی سزا و جزا سلسلہ اسباب کے اندر آیا کرتی ہے۔ اس لئے بعض اعمال جلد متشکل ہوکر سامنے آجاتے ہیں۔ اور بعض کو صورت پذیر ہونے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اپنے بندوں کو ان کے گناہ اور بدکرداریوں پر جب وہ چاہے اور جس طرح چاہے سزا دے سکتا ہے۔ لیکن سزا عام طور پر سلسلہ اسباب کے اندر دی جاتی ہے۔ اگر سلسلہ اسباب میں خلاف معمول تبدیلی کے بغیر سزا نہ دی جا سکے تو پھر سزا روک لی جاتی ہے اور روز قیامت کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے۔ لیکن یہ اچھی طرح یاد رکھئے کہ عمل کوئی بھی ضائع نہیں ہوتا خواہ اچھا ہو یا بُرا چھوٹا ہو یا بڑا ہر عمل محفوظ رکھا جاتا ہے۔ میدان حشر میں جو کچھ انسان نے ساری عمر میں کمایا ہوگا۔ اس کے سامنے پیش کر دیا جائیگا۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ۞ (پارہ ۱۵ کہف آیت ۴۹)

ترجمہ۔ اور اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا پھر تو مجرموں کو دیکھے گا اس چیز سے ڈرنے والے ہوں گے۔ جو اس میں ہے اور کہیں گے افسوس ہم پر یہ کیسا اعمال نامہ ہے۔ کہ اس نے کوئی چھوٹی یا بڑی بات نہیں چھوڑی مگر سب کو محفوظ کیا ہوا ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب کو موجود پائیں گے۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

انسان جو کچھ دنیا سے کما کر لے جائیگا اسی کی بنا پر سزا و جزا دی جائے گی اور اللہ تعالےٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ رائی کے دانے کے برابر اگر کسی نے نیکی کی ہوگی۔ تو وہ بھی ضائع نہیں ہوگی لیکن گناہوں کے بدلے کسی مجرم کو اللہ تعالےٰ پکڑے تو چھڑا بھی کوئی نہیں سکتا اور معاف کر دے تو کوئی اُس کو روک بھی نہیں سکتا۔

دنیا میں انسان سنگین جرم کا بھی ارتکاب کرکے عدالت میں پیش ہو کر اصالتاً یا وکالتاً حیل و حجت کرکے جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹے گواہ پیش کرکے قانونی گرفت سے بچ سکتا ہے۔ لیکن مکافات عمل سے نہیں بچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ اور علیم و خبیر ہے ہماری ہر حالت کو دیکھتا ہے ہمارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اور ہمارے ہر فعل و عمل سے باخبر ہے۔ اس کی سزا سے بچنا ناممکن ہے۔ کسی نہ کسی رنگ میں سزا جلد یا بدیر مل کر رہتی ہے۔ دنیا کی عدالتوں کی سزا محدود ہے لیکن اللہ تعالےٰ کی سلسلہ بڑا وسیع ہے۔ اپنی بخشش اور رحمت سے محروم کر دینا بھی قدرت کی سزا ہے بعض گوناگوں بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ بعض دنیا کی ہر قسم کی نعمتیں اور آسائشیں

میسر ہونے کے باوجود اطمینان قلب کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ ذہنی کوفت اور اضطراب روح سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ انسان اپنی ذات کا محاسبہ کرے۔ اور سوچے کہ اس سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوگیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سکون کی دولت سے محروم ہوگیا ہے۔ رحمت خداوندی سے محروم انسان کو اپنے محاسبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی وہ ہمیشہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور قدرت پر یہ الزام لگانے کی کوشش کرتا ہے کہ اُسے بے وجہ مصائب و آلام کا مورد بنایا گیا ہے۔ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ کبھی نہیں سوچتا کہ وہ اپنا ہی بویا ہوا کاٹ رہا ہے۔ انسان خود اپنا دشمن ہے اور خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتا ہے دوسرے دشمن اس کے اپنے ہی پیدا کردہ ہیں۔ قدرت کا اٹل قانون ہے کہ ہر ایک کو اپنا ہی بویا ہوا کاٹنا پڑتا ہے۔ اس میں ترمیم کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جو بُرا کرے گا پکڑا جائے گا اور جب اللہ پکڑے تو پھر کسی غیر کی حمایت کام آہی نہیں سکتی۔

گجرات کے قریب کسی گاؤں کا واقعہ ہے کہ ایک دن ایک زمیندار صبح کے وقت اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ اس کی بیوی روٹی لے کر آئی۔ زمیندار نے اُس سے کہا کہ روٹی کھیت کے کونے میں درخت کے نیچے رکھ دو اور بیلوں کے لئے تھوڑا سا چارہ کاٹ لاؤ۔ وہ روٹی رکھ کر چل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کُتیا آنکلی اور روٹی منہ میں اٹھا کر چل پڑی زمیندار نے جب یہ دیکھا تو آپے سے باہر ہوگیا اور ٹوکا جو کھیت کے کنارے پڑا ہوا تھا ہاتھ میں اُٹھا کر کتیا کے پیچھے دوڑا تھوڑی دور جاکر ٹوکا زور سے کتیا کی طرف پھینکا۔ ٹوکا لگنے سے وہ بُری طرح زخمی ہوگئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد چل بسی۔ زمیندار کے دل میں یہ احساس ہی پیدا نہ ہوا کہ اس نے خالق الکل کی ایک ادنیٰ مخلوق کے ایک بیگناہ فرد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ وقت گزرتا گیا کچھ عرصہ کے بعد ان کی برادری میں ایک آدمی کو عداوت کی بنا پر اس کے رشتہ داروں نے قتل کردیا۔ قاتلوں کی فہرست میں اس زمیندار کا نام بھی کسی نے دشمنی کی وجہ سے درج کرا دیا۔ حالانکہ وقوعہ کے روز وہ سرگودھا گیا ہوا تھا اور گاؤں میں موجود ہی نہ تھا۔ سشن جج کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا اور فرضی گواہوں نے ثابت کردیا کہ اصل قاتل وہ زمیندار ہی ہے۔ اس کو پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا گیا۔ اور باقی سب کو بری کر دیا گیا۔ ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ لیکن نامنظور ہوگئی۔ پھانسی کی تاریخ مقرر کردی گئی۔ جب اس کے رشتہ دار آخری دن اس سے ملاقات کے لئے گئے تو وہ اُن سے کہنے لگا کہ آج کئی روز سے وہ کُتیا مجھے خواب میں چیختی اور چلاتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ جس کو میں نے ٹوکے سے قتل کیا تھا۔ میں بے گناہ نہیں ہوں مجھے اس کتیا کے خون کے بدلہ میں پھانسی پر لٹکایا جارہا ہے۔ دیکھئے ایک بے گناہ جانور پر ظلم کا بدلہ لینے کے لئے قدرت نے کس طرح سلسلہ اسباب میں جکڑا اور پھانسی کا پھندا اس کے گلے میں ڈال کر ثابت کردیا کہ جو کرے گا وہ بھرے گا۔ اللہ تعالےٰ ہرگز کسی پر ظلم نہیں کرتا لیکن اگر انسان اس کی مخلوق پر ظلم کرے تو پھر اس کی گرفت سے بچ بھی نہیں سکتا۔

مقربین بارگاہ الٰہی کے مصائب۔ درد و الم اور سوز و غم کو عوام کی مشکلات پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے ان کے درجات کی بلندی کے لئے انہیں ابتلاء اور امتحان میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ امتحان اور خدا کے عذاب میں بڑا فرق ہے۔

مصائب کے نزول کے وقت قضاء و قدر پر اعتراض نہ کرو

آفات اور مصائب کے نزول پر اس احساس کو کبھی بھی دل میں نہ آنے دو کہ تم پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور تم قابل رحم ہو۔ کیونکہ اس احساس کیساتھ تم خدا کو ظلم سے متصف کرنے لگوگے اور اپنے آپ کو بے قصور و بے خطا قرار دوگے۔ اور یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ خدا کو ظالم اور اپنی ذات کو مظلوم ٹھہرانا نہ صرف الحاد ہے۔ بلکہ کج فہمی اور بے وقوفی بھی۔ خدا ظالم بن کر عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے اور جو لائق عبادت نہ ہو۔ وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم خود ظالم ہیں اور اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں بھی ہمیں اپنے ہاتھوں کی کمائی کا بدلہ ملتا ہے۔ اور قیامت کے دن بھی اپنے ہی اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

(پارہ ۱۰ سورۃ الانفال آئت ۵۱)

ترجمہ۔ یہ اس کا بدلہ ہے۔ جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ ہمہ خیر ہے۔ خیر مطلق ہے خیر محض ہے قادر مطلق ہے۔ اس کی طرف ظلم کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا کے یہاں ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں ہے جو بھی سزا ہمیں ملتی ہے۔ وہ سب ہماری کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر معاذ اللہ خدا کی طرف سے ایک رتی برابر ظلم کا امکان ہو۔ تو پھر وہ اپنی عظمت وشان کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلّام ہی ٹھہرے کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ ظلم اللہ تعالےٰ کی شان کے شایاں ہی نہیں ہے

اگر اللہ تعالےٰ ہمارے ہر جُرم پر گرفت کرنے لگے تو کوئی متنفس بھی زمین پر زندہ نہ رہے

(۱) وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

(پارہ ۱۴ سورۃ النحل آیت ۶۱)

ترجمہ۔ اور اگر اللہ لوگوں کو انکی بے انصافی پر پکڑے۔ تو زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑے۔ لیکن ایک مدت مقرر تک انہیں مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا وقت آتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

(۲) وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝

(پارہ ۲۲ سورہ فاطر ائت ۴۵)

ترجمہ۔ اور اگر اللہ لوگوں سے ان کے اعمال پر گرفت کرتا۔ تو سطح زمین پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا لیکن وہ انہیں ایک وقت مقرر تک

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

★ —— تسخیر الحسن ندوی

ابو عبید قاسم بن عبد السلام کشانی کشاں مدینہ طیبہ روضۂ اطہر کی زیارت کی غرض سے چلے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی جذبات و شوق کو برانگیختہ کرنے والے اشعار بھی زبان پر جاری ہیں، مدینہ طیبہ پہنچے، روضۂ اطہر کی زیارت کی، چند دن قیام کیا، پھر واپسی کے لیے رخصت سفر باندھا، قافلہ صبح کو روانہ ہونے والا تھا۔ اس لیے ایک شب مدینہ میں مزید قیام کا موقعہ مل گیا اور یہ نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد استراحت کے لیے چلے گئے۔ آنکھ لگتے ہی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ کو کثیر تعداد میں لوگ گھیرے ہوئے ہیں، ہر ایک مصافحہ کے لیے بے چین نظر آتا ہے۔ جو مصافحہ سے شرف یاب ہو جاتا ہے وہ شاداں و فرحاں واپس چلا جاتا ہے۔ فرطِ شوق سے ان کے قدم بھی تیزی سے اسی طرف اُٹھنے لگے، محفل کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک شخص نے ان کو روک دیا۔ اور یہ مغموم و محزون ہو کر ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے، مگر جذبات سے مجبور ہو کر پھر بڑھے لیکن پھر روک دیئے گئے۔ اسی طرح کئی مرتبہ انھوں نے مصافحہ کی غرض سے آگے بڑھنا چاہا لیکن ہر مرتبہ روک دیئے، جب پریشان ہو گئے تو روکنے والے سے پوچھا کہ "بھائی تم مجھے کیوں روک رہے ہو؟" اس لیے کہ تم کل صبح مدینہ سے کوچ کرنے والے ہو" اس نے جواب دیا" بس اتنی سی بات ہے" یہ بول پڑے، تو پھر لو اب میں کبھی بھی مدینہ نہیں چھوڑوں گا۔ اب تو خدا کے لیے مجھے زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کرنے دو،" ہاں اب تمہیں اجازت ہے" اس روکنے والے نے کہا۔ اجازت ملنی تھی کہ لوگوں کو چیرتے ہوئے حضورؐ تک پہنچے۔ مصافحہ کیا، اور پھر ایک کنارے کھڑے ہو کر شرف دیدار سے لطف اندوز ہونے لگے، اسی اثناء میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ اس خواب سے انھیں اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ مدینہ سے واپسی کا ارادہ فسخ کر دیا۔ لیکن اس کے تیسرے ہی دن حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی مستقل زیارت کے لیے اس عالم فانی سے جاودانی کی طرف سفر اختیار کر گیے۔

(وفیات الاعیان ج ۳۔ ص ۲۲۶ تا ۲۳۰)

امام بخاری رح پریشان حال و مصیبت زدہ اپنے اعزاء کے پاس خرتنک پہنچے کیونکہ حاکم وقت در پئے آزار ہو گیا تھا اس نے ہر جگہ ان کو پریشان کیا۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر انھیں اپنے وطن میں روپوش ہونا پڑا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے الحاح و زاری سے اپنے معبود سے یہ دُعا مانگی۔

"اللّٰھُمَّ انّی ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبض الیك"

ترجمہ:۔ زمین کشادہ و وسیع ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی ہے مجھے اب دُنیا سے اُٹھا لے۔

ادھر یہ دُعا مانگ رہے تھے، ادھر اسی وقت ایک شخص میٹھی نیند سو رہا تھا اور حضورؐ اور صحابہؓ کرام کی زیارت سے لطف اندوز ہو رہا تھا، کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ کرام کسی کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں، جب اس سے نہ رہا گیا تو اس نے بڑھ کر سوال کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کس کا انتظار اس بےچینی سے فرما رہے ہیں؟ کون ہے وہ خوش نصیب؟ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا" کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آج محمد بن اسمعیل رح بخاری کی آمد ہے۔ میں اور میرے اصحاب اِن کے ہی انتظار میں کھڑے ہیں۔

اس کے بعد گھبراہٹ سے ان کی آنکھ کھُل گئی۔ اور کچھ ہی لمحہ بعد انھیں امام بخاری رح کی وفات کی اطلاع مِل گئی۔ اتنا سننا تھا کہ وہ افتاں و خیزاں امام موصوف کی قیام گاہ کی طرف بھاگے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۲)

نقد و نظر

از:۔ مشتاق حسین بخاری

نام کتاب :۔ وصی رسولؐ اللہ۔
تالیف :۔ محمد سلطان نظامی
ناشران :۔ شرکتِ ادبیہ پنجاب، شاہی محلّہ لاہور
صفحات ۹۶۔ قیمت ایک روپیہ

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قربِ رسولؐ، کاملیت و جامعیت تقویٰ و بے لوثی، بزرگی اور خدمات اسلام غرضیکہ ہر اعتبار سے سب سے بڑھ کر تھے۔ اور اسی لئے اجماع صحابہؓ سے خلیفۃ الرسولؐ مقرر ہوئے۔ آپ کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ اور ان کے بعد حضرت سیدنا ذوالنورینؓ خلافتِ نبویؐ پر فائق ہوئے۔ آخر میں دامادِ رسولؐ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے یہ منصب سنبھالا۔ جن کے عہد پاک میں عجمی سازشوں نے زور پکڑا۔ خیرالقرون قرنی تمام ہوا۔ اموی اور ہاشمی چپقلش جو نورِ نبوّت اور خلافتِ راشدہ میں دبک گئی تھی پھر ابھرنے لگی نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین کو موقع ہاتھ لگا اور انھوں نے حضرت علیؓ کے نام کا سہارا لے کر اسلام کی بیخ کنی شروع کر دی۔ کہنے لگے کہ خلیفۂ چہارم وصی الرسولؐ تھے۔ ان کا حق غصب کیا گیا ہے۔ حالانکہ اصحاب ثلاثہ کی زندگیاں ان لوگوں کے سامنے تھیں حضرت علیؓ سے (نعوذ باللہ) خلافت چھین کر انھوں نے اپنا کیا بھلا کر لیا؟ یہ کوئی بھی نہیں ثابت کر سکتا۔

زیرِ نظر کتاب میں فاضل مؤلف نے بالتفصیل و شواہد ثابت کیا ہے کہ حقیقی وصی الرسول اللہ کون تھے اور عجمی سازشیوں

نے یہ کس سے منسوب کیا؟ سب سے پہلا مسلمان کون تھا؟ قرآن میں ثانی اثنین کس کو کہا گیا؟ یارِ غار کون کہلایا؟ کس نے اللہ اور رسولؐ کا نام گھر میں رکھا؟ اور باقی سب کچھ اللہ کی نذر کر دیا۔ آپؐ کے پہلو میں کون لیٹا ہوا ہے؟ کس بطلؓ جلیل کی چہار پشت میں مقامِ صحابیت ہے؟

حضرت صدیق اکبرؓ کے مناقب بیان و زبان کی حد سے باہر ہیں۔ حضورؐ کا یہ ارشاد اُن کے مقامِ ارفع کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ "میں نے سب کے حقوق ادا کر دئے ماسوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے۔

نقلی اور عقلی دلائل کے اعتبار سے اگر کوئی وصی الرسول ہیں تو وہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ اُن کی خلافت اُن کی اہلیت اور منشائے ایزدی کے مطابق تھی۔

کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اور یقیناً ایمان افروز ہے۔ افسوس کہ کتابت اور طباعت معمولی ہے۔

حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی مسجد نروالی گنج مغل پورہ میں ۵ر جنوری ۱۹۶۵ء کو ٹھیک ساڑھے بارہ بجے جمعہ کا خطاب شروع کریں گے۔　　محمد اسلم عابدؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر مسلمان کو دن رات اس طرح رہنا چاہیئے

منجملہ ارشادات

حکیم الامت مجدد الملۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

۱- ضرورت کے موافق دین کا علم حاصل کرے، خواہ کتاب پڑھ کر یا عالموں سے پوچھ پاچھ کر۔

۲- سب گناہوں سے بچے۔

۳- اگر کوئی گناہ ہو جائے فوراً توبہ کرے۔

۴- کسی کا حق نہ رکھے، کسی کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے، کسی کی برائی نہ کرے۔

۵- مال کی محبت اور نام کی خواہش نہ رکھے، نہ بہت اچھے کھانے کپڑے کی فکر میں رہے۔

۶- اگر اس کی خطا پر کوئی ٹوکے، اپنی بات نہ بنائے فوراً اقرار اور توبہ کرے۔

۷- بدوں سخت ضرورت کے سفر نہ کرے۔ سفر میں بہت سی باتیں بے احتیاطی کی ہوتی ہیں۔ بہت سے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں۔ وظیفوں میں خلل پڑ جاتا ہے۔ وقت پر کوئی کام نہیں ہوتا۔

۸- نہ بہت ہنسے، نہ بہت بولے، خاص کر نامحرم سے بے تکلفی کی باتیں نہ کرے۔

۹- کسی سے جھگڑا تکرار نہ کرے۔

۱۰- شرع کا ہر وقت خیال رکھے۔

۱۱- عبادت میں سستی نہ کرے۔

۱۲- زیادہ وقت تنہائی میں رہے۔

۱۳- اگر اوروں سے ملنا جلنا پڑے تو سب سے عاجز ہو کر رہے سب کی خدمت کرے بڑائی نہ جتلائے۔

۱۴- اور امیروں سے تو بہت ہی بچا کرے۔

۱۵- بد دین آدمی سے دور بھاگے۔

۱۶- دوسروں کے عیب نہ ڈھونڈے، کسی پر بدگمانی نہ کرے، اپنے عیبوں کو دیکھا کرے اور ان کی درستی کیا کرے۔

۱۷- نماز کو اچھی طرح اچھے وقت دل سے پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا بہت خیال رکھے۔

۱۸- دل یا زبان سے ہر وقت اللہ کی یاد میں رہے کسی وقت غافل نہ ہو۔

۱۹- اگر اللہ کا نام لینے سے مزہ آئے، دل خوش ہو تو اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لائے۔

۲۰- بات نرمی سے کرے۔

۲۱- سب کاموں کے لئے وقت مقرر کرے اور پابندی سے اس کو نباہے۔

۲۲- جو کچھ رنج و غم نقصان پیش آئے، اللہ تعالےٰ کی طرف سے جانے پریشان نہ ہو اور یوں سمجھے کہ اس میں مجھ کو ثواب ملے گا۔

۲۳- ہر وقت دل میں دنیا کا حساب کتاب اور دنیا کے کاموں کا ذکر نہ رکھے بلکہ خیال بھی اللہ ہی کا رکھے۔

۲۴- جہاں تک ہو سکے دوسروں کو فائدہ پہنچائے خواہ دنیا کا ہو یا دین کا۔

۲۵- کھانے پینے میں نہ اتنی کمی کرے کہ کمزور یا بیمار ہو جائے۔ نہ اتنی زیادتی کرے کہ عبادت میں سستی ہونے لگے۔

۲۶- خدا تعالےٰ کے سوا کسی سے طمع نہ کرے نہ کسی طرف خیال دوڑائے کہ فلانی جگہ سے ہم کو یہ فائدہ ہو جائے۔

۲۷- خدا تعالےٰ کی تلاش میں بے چین رہے۔

۲۸- نعمت تھوڑی ہو یا بہت اس پر شکر بجا لائے اور فقر و فاقہ سے تنگ دل نہ ہو۔

۲۹- جو اس کی حکومت میں ہیں ان کی خطا و قصور سے درگذر کرے۔

۳۰- کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو اس کو چھپائے البتہ اگر کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور تم کو معلوم ہو جائے تو اس شخص سے کہہ دو۔

۳۱- مہمانوں اور مسافروں اور غریبوں اور عالموں اور درویشوں کی خدمت کرے

۳۲- نیک صحبت اختیار کرے۔

۳۳- ہر وقت خدائے تعالےٰ سے ڈرا کرے۔

۳۴- موت کو یاد رکھے۔

۳۵- کسی وقت بیٹھ کر روز کے روز اپنے دن بھر کے کاموں کو سوچا کرے جو نیکی یاد آئے اس پر شکر کرے گناہ پر توبہ کرے۔

۳۶- جھوٹ ہرگز نہ بولے۔

۳۷- جو محفل خلاف شرع ہو۔ وہاں ہرگز نہ جائے۔

۳۸- شرم و حیا اور بردباری سے رہے۔

۳۹- ان باتوں پر مغرور نہ ہو کہ میرے اندر ایسی خوبیاں ہیں۔

۴۰- اللہ تعالےٰ سے دعا کیا کرے کہ نیک راہ پر قائم رکھیں۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

چیف ایڈیٹر
عبید اللہ انور

نقشہ اوقات سحری و افطاری رمضان المبارک ۱۹۶۵ء / ۱۳۸۴ھ برائے شہر لاہور و مضافات

رمضان المبارک

یوم	تاریخ عیسوی	تاریخ ہجری	اختتام سحری منٹ	اختتام سحری گھنٹہ	افطاری منٹ	افطاری گھنٹہ
منگل	۵ جنوری	یکم رمضان	۳۶	۵	۱۴	۵
بدھ	۶ "	۲ "	۳۶	۵	۱۵	۵
جمعرات	۷ "	۳ "	۳۷	۵	۱۵	۵
جمعہ	۸ "	۴ "	۳۷	۵	۱۶	۵
ہفتہ	۹ "	۵ "	۳۷	۵	۱۷	۵
اتوار	۱۰ "	۶ "	۳۷	۵	۱۸	۵
پیر	۱۱ "	۷ "	۳۷	۵	۱۹	۵
منگل	۱۲ "	۸ "	۳۷	۵	۲۰	۵
بدھ	۱۳ "	۹ "	۳۷	۵	۲۱	۵
جمعرات	۱۴ "	۱۰ "	۳۷	۵	۲۱	۵
جمعہ	۱۵ "	۱۱ "	۳۷	۵	۲۳	۵
ہفتہ	۱۶ "	۱۲ "	۳۷	۵	۲۳	۵
اتوار	۱۷ "	۱۳ "	۳۷	۵	۲۴	۵
پیر	۱۸ "	۱۴ "	۳۷	۵	۲۵	۵
منگل	۱۹ "	۱۵ "	۳۷	۵	۲۶	۵
بدھ	۲۰ "	۱۶ "	۳۷	۵	۲۷	۵
جمعرات	۲۱ "	۱۷ "	۳۷	۵	۲۸	۵
جمعہ	۲۲ "	۱۸ "	۳۶	۵	۲۹	۵
ہفتہ	۲۳ "	۱۹ "	۳۶	۵	۳۰	۵
اتوار	۲۴ "	۲۰ "	۳۶	۵	۳۰	۵
پیر	۲۵ "	۲۱ "	۳۵	۵	۳۱	۵
منگل	۲۶ "	۲۲ "	۳۵	۵	۳۲	۵
بدھ	۲۷ "	۲۳ "	۳۴	۵	۳۳	۵
جمعرات	۲۸ "	۲۴ "	۳۴	۵	۳۴	۵
جمعہ	۲۹ "	۲۵ "	۳۳	۵	۳۵	۵
ہفتہ	۳۰ "	۲۶ "	۳۳	۵	۳۶	۵
اتوار	۳۱ "	۲۷ "	۳۲	۵	۳۷	۵
پیر	یکم فروری	۲۸ "	۳۲	۵	۳۸	۵
منگل	۲ "	۲۹ "	۳۲	۵	۳۹	۵
بدھ	۳ "	۳۰ "	۳۱	۵	۳۹	۵

شوال کے روزے

یوم	تاریخ عیسوی	تاریخ ہجری	اختتام سحری منٹ	اختتام سحری گھنٹہ	افطاری منٹ	افطاری گھنٹہ
جمعرات	۴ فروری	یکم شوال	عید الفطر			
جمعہ	۵	۲	۳۰	۵	۴۱	۵
ہفتہ	۶	۳	۳۰	۵	۴۲	۵
اتوار	۷	۴	۲۹	۵	۴۳	۵
پیر	۸	۵	۲۹	۵	۴۴	۵
منگل	۹	۶	۲۸	۵	۴۵	۵
بدھ	۱۰	۷	۲۷	۵	۴۶	۵

ضروری ہدایات

لاہور کے علاوہ مغربی پاکستان کے دوسرے شہروں کے اوقات سحری و افطاری کے لئے مندرجہ ذیل منٹ جمع (+) اور منہا (-) کرکے حاصل کئے جاسکتے ہیں:

مقامات	اختتام سحری	افطاری	مقامات	اختتام سحری	افطاری
پشاور	+ ۸ منٹ	+ ۱۳ منٹ	خوشاب	+ ۷ منٹ	+ ۸ منٹ
بنوں	+ ۱۳ "	+ ۱۶ "	سرگودھا	+ ۸ "	+ ۸ "
پاراچنار	+ ۱۴ "	+ ۲۳ "	ڈیرہ اسمٰعیل خاں	+ ۱۴ "	+ ۸ "
میراں شاہ	+ ۱۵ "	+ ۲۰ "	ڈیرہ غازیخاں	+ ۱۵ "	+ ۱۳ "
کوہاٹ	+ ۹ "	+ ۱۵ "	لائلپور	+ ۵ "	+ ۵ "
کیمبلپور	+ ۵ "	+ ۱۰ "	ملتان	+ ۱۲ "	+ ۱۰ "
میانوالی	+ ۱۰ "	+ ۱۲ "	منٹگمری	+ ۵ "	+ ۵ "
مری	+ ۱ "	+ ۱۱ "	بہاولپور	+ ۱۱ "	+ ۹ "
راولپنڈی	+ ۲ "	+ ۸ "	بہاول نگر	+ ۵ "	+ ۳ "
جہلم	+ ۱ "	+ ۴ "	رحیم یار خاں	+ ۱۸ "	+ ۱۵ "
سیالکوٹ	- ۲ "	- ۱ "	خان پور	+ ۱۷ "	+ ۱۴ "
جھنگ	+ ۵ "	+ ۸ "	شیخوپورہ	+ ۱ "	+ ۱ "
گوجرانوالہ	+ ۱ "	+ ۱ "	گجرات	+ ۲ "	+ ۲ "
مظفر گڑھ	+ ۱۰ "	+ ۱۰ "	چترال	+ ۱۱ "	+ ۱۱ "
کراچی	+ ۲۷ "	+ ۲۷ "	حیدرآباد سندھ	+ ۲۳ "	+ ۲۳ "
شکارپور	+ ۱۵ "	+ ۱۵ "	سکھر	+ ۱۸ "	+ ۱۸ "
ایبٹ آباد	+ ۴ "		جیکب آباد	+ ۲۲ "	
جموں	- ۲ "		کوئٹہ	+ ۲۸ "	

تیار کردہ

احقر الانام غلام قادر اظہر ہیڈ ڈرافسمین خالد منزل الف ۲۷۵۶ لائن سبحان خاں لاہور۔

امیر پرنٹنگ پریس جی۔ٹی شاہدرہ میں باہتمام مولانا عبید اللہ انور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ سے شائع ہوا